Spot CMYK#Waheed

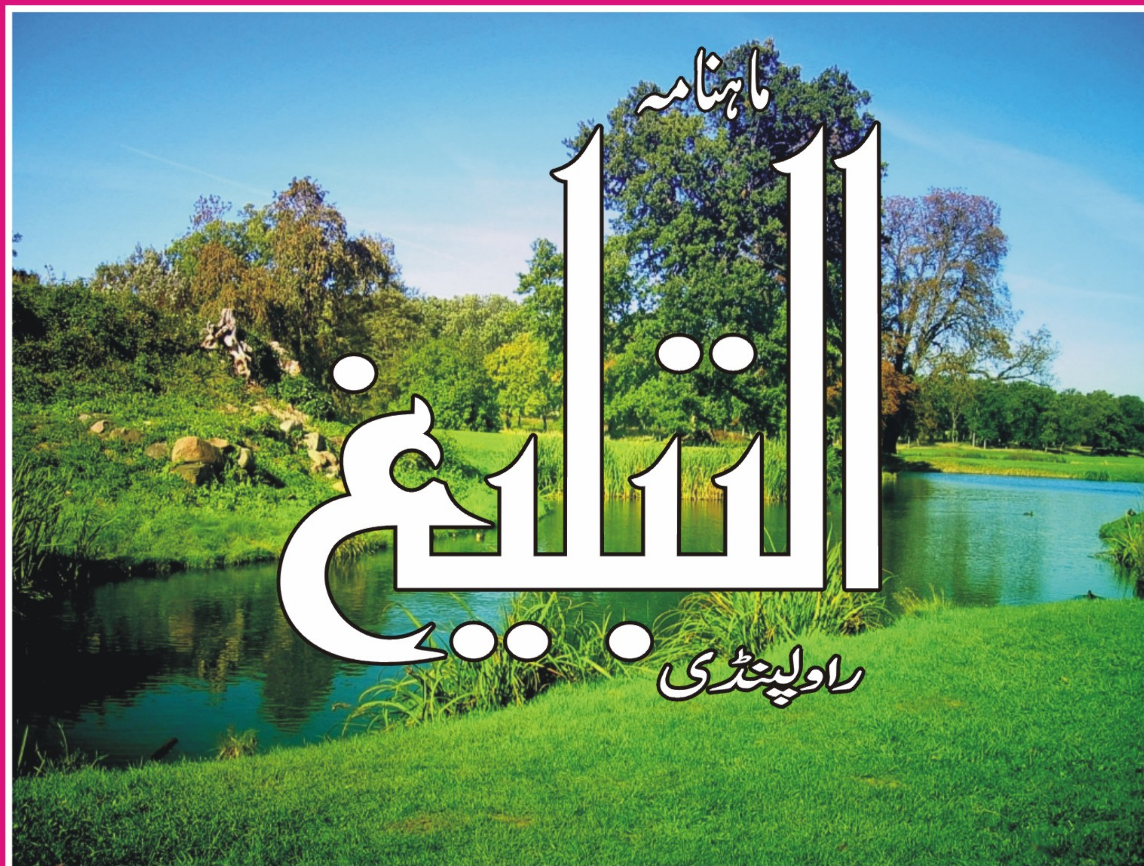

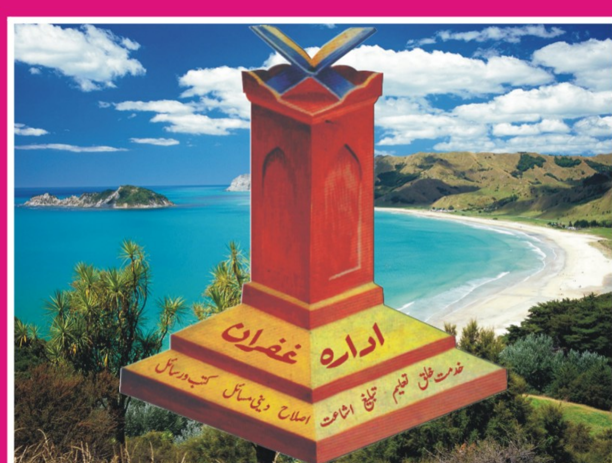

ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

بشرفِ دعا

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ

وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبد السلام

مجلسِ مشاورت
مفتی محمد یونس　مفتی محمد امجد　حکیم محمد فیضان　غفار الحق

فی شمارہ............ 25 روپے

سالانہ............ 300 روپے

پبلشرز
محمد رضوان
سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

خط وکتابت کا پتہ
ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959
راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

قانونی مشیر
الحاج غلام علی فاروق
(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 300 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ "التبلیغ" حاصل کیجئے

ڈاک کا پتہ تبدیل ہو جانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جاسکے گا

برائے رابطہ ...... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17
عقب پٹرول پمپ و چمڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان
فون: 051-5507530-5507270　فیکس: 051-5780728
www.idaraghufran.org
Email: idaraghufran@yahoo.com

ترتیب وتحریر

صفحہ

اداریہ ....ایک اور سونامی...............مفتی محمد رضوان ۳

درسِ قرآن (سورہ بقرہ قسط۷۸).....ملّتِ ابراہیمی کی حقیقت اور اُس کی اتباع کا حکم.........// // ۶

درسِ حدیث ....نمازِ تہجد کی کتنی رکعات ہیں؟...............// // ۱۲

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

مرضی تری ہر وقت جسے پیشِ نظر رہے (اس دور کے چارہ گر کہاں ہیں؟ قسط۱۶).........مفتی محمد امجد حسین ۱۷

ایک مہاجر فی سبیل اللہ کا سفرِ آخرت (قسط۱).........................مولوی محمد ابراہیم خلیل ۲۲

قلعہ روہتاس اور کھیوڑہ (کوہستانِ نمک) کا ایک سفر (قسط۱)..................مفتی محمد امجد حسین ۲۵

ناجائز اشیاء کی تجارت سے بچنا (قسط۱)..........................مفتی منظور احمد ۳۰

کھیل کود میں غلو..مفتی محمد رضوان ۳۲

تداعی کے ساتھ جماعتی ذکر (چند شبہات کا ازالہ) (قسط۴)..........................// // ۳۳

ماہِ ربیع الاول: پانچویں نصف صدی کے اجمالی حالات وواقعات.............مولانا طارق محمود ۳۸

صلہ رحمی کے لئے رشتہ داروں کی معرفت حاصل کرنے کا حکم..........................مفتی محمد رضوان ۴۱

علم کے مینار.....................سرگذشت عہدِ گُل (قسط۴۲)...............مفتی محمد امجد حسین ۴۴

تذکرۂ اولیاء:.............تذکرہ مولانا رومی کا (قسط۸)...............// // ۴۷

پیارے بچو! ....طوطا چشم...................مولانا محمد ناصر ۵۶

بزمِ خواتین ....شوہر کا مقام ومرتبہ (تیسری وآخری قسط)..........مفتی ابوشعیب ۵۹

آپ کے دینی مسائل کا حل.... وتر کی نماز کا وقت اور وتر کے بعد نوافل کی تحقیق ۶۵

کیا آپ جانتے ہیں؟.....وتر کی نماز میں دعائے قنوت کا ثبوت اور اس کا طریقہ.....مفتی محمد رضوان ۷۷

عبرت کدہ ....حضرت یوسف علیہ السلام (قسط۹)...............ابوجویریہ ۸۸

طب وصحت............کھجور کے فوائد وخواص (قسط۱).................مفتی محمد رضوان ۹۱

اخبارِ ادارہ............ادارہ کے شب وروز...................مولانا محمد امجد حسین ۹۴

اخبارِ عالم ....قومی وبین الاقوامی چیدہ چیدہ خبریں...........حافظ غلام بلال ۹۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

مفتی محمد رضوان

ایک اور سونامی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے یہ پیشین گوئی فرمادی تھی کہ:

قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ (دین کا) علم نہ اُٹھ جائے (جو کہ علماء کے اُٹھ جانے سے ہوگا) اور زلزلوں کی کثرت نہ ہو جائے۔ [۱]

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ:

قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی، جب تک کہ پہاڑ اپنی جگہوں سے نہ ٹل جائیں، اور آپ ایسی بڑی بڑی چیزیں نہ دیکھ لیں، جو آپ نے نہیں دیکھی ہونگیں۔ [۲]

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

قیامت کے قریب شدید موتیں واقع ہونگیں، جس کے بعد زلزلوں کے سال شروع ہونگے۔ [۳]

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اس امت میں (زلزلہ کے ذریعہ سے) دھنسائے جانے اور صورتیں مسخ کیے جانے اور پتھر برسائے جانے کا عذاب ہوگا، سوال کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ کب ہوگا؟ فرمایا: جب گانے بجانے والی عورتوں اور گانے بجانے کے آلات (موسیقی) کی کثرت ہو جائے گی، اور شرابوں کو حلال سمجھا جانے لگے گا۔ [۴]

نیز ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

---

[۱] لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُقْبَضَ الْعِلْمُ، وَتَكْثُرَ الزَّلَازِلُ، وَيَتَقَارَبَ الزَّمَانُ، وَتَظْهَرَ الْفِتَنُ، وَيَكْثُرَ الْهَرْجُ -وَهُوَ الْقَتْلُ الْقَتْلُ -حَتّٰى يَكْثُرَ فِيْكُمُ الْمَالُ فَيَفِيْضَ (بخاری)

[۲] قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَزُوْلَ الْجِبَالُ عَنْ أَمَاكِنِهَا، وَتَرَوْنَ الْأُمُوْرَ الْعِظَامَ الَّتِىْ لَمْ تَكُوْنُوْا تَرَوْنَهَا (المعجم الکبیر للطبرانی)

[۳] وَسَتَأْتُوْنَ أَفْنَادًا يُفْنِىْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا، وَبَيْنَ يَدَىِ السَّاعَةِ مُوْتَانٌ شَدِيْدٌ، وَبَعْدَهٗ سَنَوَاتُ الزَّلَازِلِ (مسند الإمام أحمد)

[۴] يَكُوْنُ فِىْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ وَّمَسْخٌ وَقَذْفٌ، قِيْلَ وَمَتٰى ذٰلِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ اِذَا ظَهَرَ الْقِيَانُ وَالْمَعَازِفُ وَاسْتَحَلَّتِ الْخُمُوْرَ (مسند عبد بن حميد)

اس اُمَّت میں یقیناً (زلزلہ کے ذریعہ سے) زمین میں دھنس جانے اور آسمان سے پتھر برسنے اور صورتیں مسخ ہوجانے کا عذاب آئے گا، اور یہ اس وقت ہوگا جب لوگ کثرت سے شراب پییں گے، اور گانے والی عورتیں رکھیں گے اور گانے بجانے کا سامان استعمال کریں گے۔[۱]

گناہوں کی کثرت کی وجہ سے چند سالوں سے احادیث میں بیان کی ہوئی یہ پیشین گوئیاں ہمارے سامنے ہے، چنانچہ چند سالوں سے پے در پے انتہائی خطرناک زلزلوں کا سلسلہ جاری ہے۔

جس کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

20 جون : 1990 منجل (ایران) شدت ,7.4 ہلاکتیں40,000

30 ستمبر : 1993 لاٹر (انڈیا) شدت ,6.2 ہلاکتیں9,784

16 جنوری :1995 کوبے (جاپان) شدت6.9، ہلاکتیں5,530

17 اگست : 1999 ازمت (ترکی) شدت ,7.6 ہلاکتیں17,118

16 جنوری : 2001 گجرات (انڈیا) شدت ,7.7 ہلاکتیں20,023

26 دسمبر : 2003 بام (ایران) شدت ,6.6 ہلاکتیں31,000

26 دسمبر :2004 سماٹرا (انڈونیشیا) شدت ,9.1 ہلاکتیں227,898

8 اکتوبر : 2005 پاکستان شدت ,7.6 ہلاکتیں80,361

12 مئی : 2008 سچوان (چین) شدت ,7.9 ہلاکتیں87,587

12 جنوری :2010 ہیٹی، شدت7.0، ہلاکتیں222,570

اور حال ہی میں 11 / مارچ 2011ء بروز جمعہ جاپان کے معیاری وقت کے مطابق دوپہر پونے تین بجے کے قریب ایک زبردست سونامی زلزلہ سے تباہی پھیل گئی۔

جاپان کے اس حالیہ زلزلے کی ریکٹر سکیل پر شدت آٹھ اعشاریہ نو (8.9) ریکارڈ کی گئی، اور اس کا مرکز ٹوکیو سے چار سو (400) کلومیٹر دور سمندر میں بیس (20) میل گہرائی میں بتایا گیا۔

ماہرین کے مطابق جاپان کی تاریخ کا یہ شدید ترین زلزلہ تھا، اور گزشتہ 140 برس کے دوران آنے والا یہ سب سے شدید زلزلہ تھا۔

---

[۱] قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیَکُوْنَنَّ فِیْ ھٰذِہِ الْأُمَّۃِ خَسْفٌ وَقَذْفٌ وَمَسْخٌ وَذٰلِکَ إِذَا شَرِبُوا الْخُمُوْرَ وَاتَّخَذُوا الْقَیْنَاتِ وَضَرَبُوْا بِالْمَعَازِفِ (ذم الملاھی لابن ابی الدنیا)

Idara Ghufran

ہلاک ہونے والے افراد کی اکثریت سونامی کی دس میٹر یا 33 فٹ بلند اونچی لہروں کی نذر ہوگئی جوٹوکیو کے شمالی علاقے میں مشرقی ساحل سے دس کلومیٹر اندر تک داخل ہوگئیں۔

سونامی کی لہروں کے راستے میں آنے والے دیہات صفحہ ہستی سے مٹ گئے اور رکوزنتا کادا کے شہر کو زبردست نقصان پہنچا، شہر میں کئی جگہوں پر آگ لگ گئی۔

سونامی زلزلے کی طوفانی لہریں گھروں، عمارتوں، کاروں، بڑے بڑے کنٹینروں اور کشتیوں اور چھوٹے بحری جہازوں کوکوڑا کرکٹ کی طرح بہا کر لے گئیں، زلزلے کے وقت عمارتیں کاغذوں کی طرح جھولتی اور لرزتی رہیں۔

اس بدترین زلزلے سے جاپان کے ایک جوہری گھر (فوکوشیماری ایکٹر) کو بھی غیر معمولی نقصان پہنچا، ایٹمی بجلی گھر میں آگ لگنے سے 40 لاکھ گھر تاریکی میں ڈوب گئے۔

ساحلی شہروں میں 2 جوہری پاور پلانٹ بند کر دیئے گئے۔

زلزلے سے ٹوکیو کا ریلوے نظام بھی درہم برہم ہوگیا، متعدد عمارتیں زمین بوس ہوگئیں جبکہ ایک ٹرین، بحری جہاز اور لاتعداد افراد لاپتہ ہیں، زلزلے کی وجہ سے آئل ریفائنری جل گئی اور ایک پیٹروکیمیکل کمپلیکس تباہ جبکہ درجنوں عمارتوں کو آگ لگ گئی۔

جاپان کے وزیراعظم ناوتو کان نے اعتراف کیا ہے کہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد جاپان کواس وقت زلزلے اور سونامی کی تباہی سے بدترین بحران کا سامنا ہے۔

قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ یہ سب کچھ تباہی ایک ایسے ملک میں سامنے آئی ہے، جو کہ اس وقت دنیا کی بڑی طاقتوں میں شمار کیا جاتا ہے، اور ہر قسم کی جدید ٹیکنالوجی سے مالا مال ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی طاقت وقدرت کے مقابلہ میں تمام تر جوہری طاقت اور جدید ترین ٹیکنالوجی دھری کی دھری رہ گئی۔

اور یہ سب کچھ آناً فاناً چند منٹوں میں ہوگیا۔

جس سے اس بات کے سمجھنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طاقت وقدرت کے مقابلہ میں ساری دنیا ایک ذرۂ ناچیز سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

اسی کے ساتھ اس قسم کے خطرناک زلزلوں کی آمد اور ان کی تباہی سے اس بات کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ اب قیامت کا زمانہ دور نہیں ہے، اس لئے جو گناہ خاص طور پر زلزلوں کا سبب ہیں، ان سے بچنے اور توبہ واستغفار کرنے کی بہت سخت ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

Iqra Ghufran

(سورہ بقرہ قسط ۷۸، آیت ۱۳۰ تا ۱۴۱)

مفتی محمد رضوان

ملّتِ ابراہیمی کی حقیقت اور اُس کی اتباع کا حکم

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِی الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ
فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (١٣٠) اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ (١٣١) وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرَاهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ
الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (١٣٢) اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۤءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ
الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۤئِكَ
اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (١٣٣) تِلْكَ اُمَّةٌ
قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ (١٣٤) وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا
وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (١٣٥) قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلٰۤى
اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَاۤ
اُوْتِیَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (١٣٦) فَاِنْ
اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ
فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (١٣٧) صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ
صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ (١٣٨) قُلْ اَتُحَاجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَاۤ
اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ (١٣٩) اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ
وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ
اَمِ اللّٰهُ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ
(١٤٠) تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (١٤١)

ترجمہ: اور کون ہے جو ابراہیم کے طریقے سے انحراف کرے مگر وہی جو خود اپنے آپ کو احمق بنا چکا ہو، اور ہم نے تو ابراہیم کو دنیا میں بھی چُن لیا تھا، اور بیشک وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں

Idara Ghufran

میں سے ہوں گے (۱۳۰) جب ان کے رب نے ان سے فرمایا کہ سرِ تسلیم خَم کردو، تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے سارے جہانوں کے رب کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیا (۱۳۱) اور اسی بات کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے کہ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے یہ دین تمہارے لئے چن لیا ہے، لہٰذا تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو (۱۳۲) کیا تم موجود تھے جس وقت یعقوب کو موت آئی، جب انہوں نے اپنے بیٹوں کو فرمایا تھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ اُن سب نے (جواب میں) کہا تھا کہ ہم عبادت کریں گے، آپ کے رب کی اور آپ کے باپ دادوں کے رب کی جو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق ہیں، وہی ایک معبود ہے اور ہم سب اسی کے فرمانبردار ہیں (۱۳۳) وہ ایک امت تھی جو کہ گزر چکی، ان کے لیے وہ ہے جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم کماؤ، اور تم سے سوال نہیں کیا جائے گا اس بارے میں جو وہ عمل کرتے تھے (۱۳۴) اور یہ لوگ (یہودی وعیسائی مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ تم یہودی یا عیسائی ہو جاؤ، تم ہدایت پا لو گے، آپ کہہ دیجیے بلکہ ہم تو ملتِ ابراھیمی کی پیروی کریں گے جو سیدھے راستے پر تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے (۱۳۵) تم کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اُس (کلام) پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا، اور جو نازل کیا گیا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولادوں کی طرف، اور جو عطا کیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو، اور جو عطا کیا گیا دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے، ہم فرق نہیں کرتے کسی کے درمیان بھی اُن میں سے اور ہم اُسی (وحدہٗ لاشریک) کے لیے فرمانبردار ہیں (۱۳۶) پھر اگر یہ لوگ (بھی) اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے تم ان (رسولوں پر نازل شدہ کتابوں) پر ایمان لائے ہو تو یہ لوگ (واقعی) ہدایت پا جائیں گے، اور اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو وہ صرف مخالفت میں ہیں، پس کافی ہوگا آپ کو ان کی طرف سے اللہ، اور وہ ہر بات سننے والا ہر بات جاننے والا ہے (۱۳۷) اللہ کا رنگ اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ سے اچھا رنگ کس کا ہوگا، اور ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں (۱۳۸) آپ کہہ دیجئے کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں حجت کرتے ہو حالانکہ وہ ہمارا بھی رب ہے، اور تمہارا بھی رب ہے، اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں، اور

ہم تو اسی کے لئے مخلص ہیں (۱۳۹) کیا تم لوگ یہ کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اوران کی اولادیں، یہودی، یا نصرانی تھے؟ آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم لوگ زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اُس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو ایسی گواہی کو چھپائے جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے موجود ہو، اور نہیں ہے اللہ غافل اُن کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو (۱۴۰) وہ ایک امت تھی جو کہ گزر چکی، ان کے لیے وہ ہے جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم کماؤ، اور تم سے سوال نہیں کیا جائے گا اس بارے میں جو وہ عمل کرتے تھے (۱۴۱)

تفسیر وتشریح

یہود ونصاریٰ اور مشرکین سب کے سب اپنے بارے میں یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر ہیں، اور بعض اوقات اسی وجہ سے مسلمانوں کو بھی یہود ونصاریٰ ہو جانے کی دعوت دیتے تھے۔ ان کے اس قسم کے دعووں اوران کی تردید کا اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ذکر فرمایا ہے۔

مذکورہ آیات میں سے آیت نمبر۱۳۰ میں ملتِ ابراہیمی کی فضیلت اوراس کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دنیا وآخرت میں شرف اور بزرگی والا ہونا بیان کر کے ان کی ملت سے انحراف کرنے کو احمقانہ کام بتلایا گیا ہے، کہ ایسی حرکت ایسا شخص ہی کر سکتا ہے، جو خود اپنے آپ کو احمق بنا چکا ہو، یا وہ اپنی ذات سے بھی بے خبر وجاہل ہو۔

اس آیت سے مشرکین اور یہود ونصاریٰ سب پر رَد ہو گیا، جنہوں نے اپنی طرف سے شرک اور بدعات اور ایسی ضلالت وگمراہی والی چیزوں کو ایجاد کر لیا تھا، جن کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہدایت والی ملت سے کوئی تعلق نہ تھا۔

''ملۃ'' ایسے دین کو کہا جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعہ سے جاری فرمایا ہو (مظہری)

آیت نمبر۱۳۱ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا انتہائی مطیع وفرمانبردار ہونا بیان فرمایا، کہ نعوذ باللہ تعالیٰ وہ مشرکین اور یہود ونصاریٰ کی طرح اللہ تعالیٰ کے نافرمان نہیں تھے، بلکہ انہوں نے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے سرِ تسلیم خَم کر دیا تھا۔

آیت نمبر۱۳۲و۱۳۳ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کے انتہائی فرمانبردار ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے بتلایا کہ نہ صرف یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود سے اللہ تعالیٰ کے انتہائی مطیع وفرمانبردار

تھے، بلکہ انہوں نے اپنی اولاد کو بھی وفات سے پہلے اسی کی وصیت فرمائی تھی کہ تم اسی دینِ اسلام پر قائم رہنا، جس میں اپنے رب کی خالص عبادت کا حکم ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کے لئے آخرت کی فکر کرنا یہ انبیائے کرام علیہم السلام کا طریقہ ہے، اوراسی میں اولاد کی حقیقی کامیابی ہے، اوراس کو چھوڑ کر صرف دنیا کی فکر میں لگے رہنا انبیائے کرام کا طریقہ نہیں، لہٰذا اس طریقہ میں اولاد کی حقیقی کامیابی نہیں۔

آیت نمبر ۱۳۴ میں یہ وضاحت فرمادی کہ وہ ایک امت تھی جو کہ گزر چکی، ان کے لیے وہ ہے جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم کماؤ، اور تم سے سوال نہیں کیا جائے گا اس بارے میں جو وہ عمل کرتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کی اولاد تو دینِ اسلام اور توحید اور اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرکے کامیابی اور فلاح پاچکی ہے، تو کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ وہ ان کامیاب ہستیوں کی نسل سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے وہ بھی کامیاب ہے۔

پس مشرکین یا یہود ونصاریٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کو چھوڑ کر اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تعلق کا دعویٰ کرنا یا یہ سمجھنا کہ ہماری مغفرت تو ہمارے آباء واجداد کے نیک اعمال کے ذریعہ سے ہوجائے گی، خواہ ہمارے اعمال کیسے بھی ہوں، سراسر باطل ہے، اوراس سے وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے۔

اسی سے آج کل کے بعض مسلمانوں کے اپنے آپ کو اعلیٰ وافضل نسب سے تعلق ہونے کو نجات کے لئے کافی سمجھنے کا رَد بھی معلوم ہوگیا۔ احادیث سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔

چنانچہ کئی احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ:

وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ، لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ (مسلم، حديث نمبر ۲۶۹۹)

ترجمہ: اور جس کا عمل سست ہو، تو اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا (یعنی عمل خراب ہونے کی صورت میں نسب کا اچھا ہونا انسان کی نجات کا سامان نہیں کرتا) (ترجمہ ختم)

آیت نمبر ۱۳۵ میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ مسلمانوں کو یہودی یا عیسائی ہونے کی دعوت دیتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی ہونے سے تم ہدایت پالوگے۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہدایت پانے کے لئے خود یہودیوں اور عیسائیوں کو مسلمان ہونے

کی ضرورت ہے، کیونکہ مسلمان تو ملتِ ابراہیمی پر قائم ہیں، اور یہود و نصاریٰ شرک وغیرہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس سے ہٹے ہوئے ہیں، پس مسلمان تو ہرگز یہودی یا عیسائی نہیں ہونگے، بلکہ وہ ملتِ ابراہیمی پر قائم رہیں گے۔

آیت نمبر ۱۳۶ میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ اور مشرکین سب کو ایسی چیز پر ایمان لانے کا حکم فرمایا کہ جو حضرت ابراہیم واسماعیل، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کے بعد میں آنے والے انبیائے کرام مثلاً حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی طرف نازل کیا گیا، اور اس کی بنیاد سب میں توحید و رسالت ہے۔ اور اس بنیاد میں انبیائے کرام علیہم السلام کے درمیان فرق نہیں، پس یہ بنیاد سب کے لئے مشترک ہے، جس پر سب کو ایمان لانے کا حکم ہے۔

آیت نمبر ۱۳۷ میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ مضمون کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس طرح کا بلا تفریق تمام آسمانوں کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانے والے مسلمان ہیں، پس دوسرے لوگوں کو بھی انہی کی طرح ایمان لانا چاہئے، اس سے ان کو حقیقی ہدایت حاصل ہوجائے گی۔ اور اس کے بغیر ان کا اپنے آپ کو ہدایت پر ہونے کا دعویٰ کرنا غلط ہے۔

اور اگر اس کے باوجود بھی یہ لوگ ایمان نہ لائیں، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ صرف مسلمانوں کی مخالفت وعناد اور دشمنی میں ایسا کررہے ہیں، اور اس صورت میں مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ جو کہ ان کی ہر بات کے سمیع اور علیم ہیں، کی مدد شاملِ حال ہے، جس کے مقابلہ میں کفار مسلمانوں کو ضرر نہیں پہنچا سکتے۔

آیت نمبر ۱۳۸ میں اللہ تعالیٰ نے اس غلط فہمی کا جواب بیان فرمادیا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ دینِ اسلام درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے، بلکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ دینِ اسلام تو درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ہے، اور کسی نبی کی طرف اس کی نسبت تو صرف اس لئے کی جایا کرتی ہے، کہ ان کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو بھیجا ہے۔ لہٰذا حکم ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کا رنگ اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ سے اچھا رنگ کس کا ہوگا، اور ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

اور ''ملۃ'' کے بجائے یہاں ''صبغۃ'' کے الفاظ سے ایک تو عیسائیوں کی ایک غلط رسم کی تردید ہوگئی کہ وہ بچے کے پیدا ہونے کے ساتویں دن اسے ایک رنگین پانی میں نہلا کر اس کی پاکی اور عیسائیت کا پختہ رنگ سمجھتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ اس قسم کے رنگ کا اعتبار نہیں، بلکہ اصل رنگ تو اللہ تعالیٰ کے دینِ اسلام کا ہے، اسی کو

اپنے اوپر چڑھانا چاہئے۔اور دوسرے ان الفاظ سے اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ جس طرح رنگ آنکھوں سے محسوس ہوا کرتا ہے،تو دینِ اسلام کی نشانی بھی انسان کے اوپر نظر آنی چاہئے (معارف القرآن عثمانی بتغیر)

آیت نمبر ۱۳۹ میں اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کی اس کٹ حجتی کی تردید فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس انتخاب میں جو محمد ﷺ کو نبوت عطا فرمانے کی شکل میں کیا تھا، حجت کرتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ کر نبوت کا انتخاب دوسرے لوگوں میں سے کیوں کیا گیا؟

اس کٹ حجتی کا سیدھا جواب یہ دیا گیا کہ یہ انتخاب تو اللہ رب العزت کی طرف سے ہے، جو کہ مسلمانوں اور یہود وعیسائی سب کا رب ہے،اور اس رب کے حکم کی تعمیل مسلمان کریں گے،تو وہ فائدہ اٹھائیں گے، اور یہود وعیسائی کریں گے،تو وہ فائدہ اٹھائیں گے۔

اس سے خاص مسلمانوں کا کوئی مفاد وابستہ نہیں، بلکہ سب کا مشترک مفاد وابستہ ہے،اور مسلمان اللہ رب العزت کے حکم کی تعمیل میں مخلص ہیں (مظہری)

آیت نمبر ۱۴۰ میں کفار کے اس دعوے کا رَد ہے، جو وہ کیا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولادیں، یہودی، یا نصرانی تھے۔

اس دعوے کے جواب میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ تو اس کی تردید فرماتے ہیں،اور اللہ تعالیٰ کا علم تمہارے علم سے زیادہ ہے،تو پھر تمہارا یہ دعویٰ کیسے درست ہوسکتا ہے؟

خاص طور پر ان لوگوں کی طرف سے یہ دعویٰ کرنا کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی حضرت ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے بارے میں اس بات سے اپنی کتاب توراۃ وغیرہ میں آگاہ فرمادیا تھا کہ وہ یہودی یا نصرانی نہیں تھے،اور دینِ حنیف پر قائم تھے،اور محمد ﷺ اسی کے مطابق مبعوث ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی کھلی گواہی اور شہادت کے ہوتے ہوئے اس کو چھپانا بہت بڑا ظلم ہے،اور اللہ تعالیٰ ان کی سب حرکات وسکنات سے واقف ہیں،اور اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ ان سے معاملہ فرمائیں گے (مظہری)

آیت نمبر ۱۴۱ میں اللہ تعالیٰ نے دوبارہ حضرت ابراہیم، اسماعیل واسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولادوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ امت تو گزر چکی ہے، اور ان کے لیے وہ ہے جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم کماؤ،اور تم سے سوال نہیں کیا جائے گا اس بارے میں جو وہ عمل کرتے تھے۔

پس تمہیں اس طرح کی باتیں بنانے کے بجائے اپنے اعمال کی فکر کرنا ضروری ہے۔

درسِ حدیث

مفتی محمد رضوان

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

نمازِ تہجد کی کتنی رکعات ہیں؟

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا (بخاری، حدیث نمبر ۱۱۴۷، کتاب الجمعة)

ترجمہ: انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رمضان المبارک (کی رات) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کیسی ہوتی تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ (رمضان کی کیا خصوصیت؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعتیں پڑھتے کچھ نہ پوچھو کہ وہ کتنی حسین وطویل ہوتی تھیں، پھر چار رکعتیں پڑھتے کچھ نہ پوچھو کتنی حسین اور طویل ہوتی تھیں پھر تین رکعت (وتر) پڑھتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

بِتُّ فِي بَيْتِ مَيْمُونَةَ لَيْلَةً وَالنَّبِيُّ ﷺ عِنْدَهَا لِأَنْظُرَ كَيْفَ صَلَاةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَتَحَدَّثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ أَهْلِهِ سَاعَةً ثُمَّ رَقَدَ فَلَمَّا كَانَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ أَوْ بَعْضُهُ قَعَدَ فَنَظَرَ إِلَى السَّمَاءِ فَقَرَأَ (إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَى قَوْلِهِ لِأُولِي الْأَلْبَابِ) ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّأَ وَاسْتَنَّ ثُمَّ صَلَّى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ أَذَّنَ بِلَالٌ بِالصَّلَاةِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى لِلنَّاسِ الصُّبْحَ (بخاری، حدیث نمبر ۶۸۹۸)

ترجمہ: میں نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رات گزاری، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم

اُن کے پاس تھے، تاکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کو دیکھوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کے ساتھ کچھ دیر گفتگو فرمائی، پھر لیٹ گئے، پھر جب رات کا آخری تہائی حصہ ہوا، یا تہائی کا بعض حصہ ہوا، تو آپ بیٹھ گئے اور آسمان کی طرف نظر کرکے یہ آیت پڑھی ''إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ''

پھر کھڑے ہوکر وضو کیا اور مسواک کی، پھر گیارہ رکعتیں پڑھیں (جن میں تین وتر اور آٹھ رکعتیں تہجد کی شامل تھیں) پھر حضرت بلال نے فجر کی نماز کی اذان دی، تو آپ نے دو رکعتیں پڑھیں، پھر آپ گھر سے باہر نکلے، اور (مسجد میں جاکر) لوگوں کو فجر کی نماز پڑھائی (ترجمہ ختم)

ان احادیث میں تین رکعت سے وتر مراد ہیں، اور آٹھ رکعتیں تہجد کی ہیں۔

اور بعض روایات میں رات کے وقت تیرہ رکعتیں پڑھنے کا ذکر ہے۔ [۱]

ان تیرہ رکعتوں میں دو رکعتیں فجر کی سنتوں کی شامل ہیں، یا تیرہ کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات فجر سے پہلے ہلکی پھلکی مزید دو رکعتیں بھی پڑھا کرتے تھے، اور اس طرح ان کی تعداد تیرہ بن جاتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر تہجد کی آٹھ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

البتہ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ رکعتوں سے کم وبیش پڑھنا بھی ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ:

سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنْ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ سَبْعٌ وَتِسْعٌ وَإِحْدَى عَشْرَةَ سِوَى رَكْعَتِي الْفَجْرِ (بخاری، باب کیف کان صلاۃ النبی ﷺ وکم کان النبی ﷺ یصلی من اللیل)

ترجمہ: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے بارے میں سوال کیا؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ (وتروں سمیت) بعض اوقات سات،

---

[۱] عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِاللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ يُصَلِّيْ إِذَا سَمِعَ النِّدَآءَ بِالصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ (بخاری، حدیث نمبر ۱۱۷۰، بَاب مَا يُقْرَأُ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: كَانَتْ صَلَاةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يَعْنِيْ بِاللَّيْلِ (بخاری، حدیث نمبر ۱۱۳۸، باب کیف کان صلاۃ النبی ﷺ وکم کان النبی ﷺ یصلی من اللیل)

Idara Ghufran

بعض اوقات نو، اور بعض اوقات گیارہ رکعتیں ہوتی تھیں، فجر کی سنتوں کے علاوہ (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن ابی قیس فرماتے ہیں کہ:

سَأَلْتُ عَائِشَةَ :بِكَمْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتِرُ ؟ قَالَتْ ": بِأَرْبَعٍ وَثَلَاثٍ، وَسِتٍّ وَثَلَاثٍ، وَثَمَانٍ وَثَلَاثٍ، وَعَشْرَةٍ وَثَلَاثٍ، وَلَمْ يَكُنْ يُوتِرُ بِأَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَلَا أَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ، وَكَانَ لَا يَدَعُ رَكْعَتَيْنِ (مسند احمد،حديث نمبر ۲۵۱۵۹، واللفظ لهٗ، ابوداوٗد، حديث نمبر ۱۳۶۲)

ترجمہ: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنے وتر (یعنی وتروں سمیت تہجد کی نماز) پڑھا کرتے تھے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ (کبھی) چار (نوافل) اور تین (وتر) اور (کبھی) چھ (نوافل) اور تین (وتر) اور (کبھی) آٹھ (نوافل) اور تین (وتر) اور (کبھی) دس (نوافل) اور تین (وتر) اور تیرہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، اور نہ سات سے کم (جس میں چار نوافل اور تین وتر ہوتے تھے) اور (فجر سے پہلے کی) دو رکعتوں کو نہیں چھوڑتے تھے (ترجمہ ختم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے جن دو رکعتوں کے نہ چھوڑنے کا ذکر فرمایا، وہ فجر سے پہلے کی دو رکعات ہیں، جن کی دوسری روایات میں وضاحت پائی جاتی ہے، اور تیرہ رکعات کا مطلب پیچھے گزر چکا ہے۔ [۱]

---

[۱] وهذا أصح ما وقفت عليه من ذلک وبه يجمع بين ما اختلف عن عائشة من ذلک والله أعلم قال القرطبی أشكلت روايات عائشة على كثير من أهل العلم حتى نسب بعضهم حديثها إلى الاضطراب وهذا إنما يتم لو كان الراوی عنها واحدا أو أخبرت عن وقت واحد والصواب أن كل شیء ذكرته من ذلک محمول على أوقات متعددة وأحوال مختلفة بحسب النشاط وبيان الجواز والله أعلم وظهر لی أن الحكمة فی عدم الزيادة على إحدى عشرة أن التهجد والوتر مختص بصلاة الليل وفرائض النهار الظهر وهی أربع والعصر وهی أربع والمغرب وهی ثلاث وتر النهار فناسب أن تكون صلاة الليل كصلاة النهار فی العدد جملة وتفصيلا وأما مناسبة ثلاث عشرة فبضم صلاة الصبح لكونها نهارية إلى ما بعدها (فتح الباری لابنِ حجر ج۳ص ۲۱،قوله باب كيف صلاة الليل وكم كان النبی صلى الله عليه وسلم يصلی بالليل)

ودل أيضا أنه كان يصلی إحدى عشرة ركعة سوى ركعتی الفجر وهما سنة فتكون الجملة ثلاث عشرة ركعة فإن قلت فی (الموطأ) من حديث هشام عنها أنه كان يصلی ثلاث عشرة ركعة ثم يصلی إذا سمع نداء الصبح ركعتين وسيأتی فی باب ما يقرأ فی ركعتی الفجر عن عبد الله بن يوسف عن مالک به فتكون الجملة خمس عشرة ركعة قلت لعل ثلاث عشرة بإثبات سنة العشاء التی بعدها أو أنه عد الركعتين الخفيفتين عند الافتتاح أو الركعتين بعد الوتر جالسا (عمدة القاری ، كتاب التهجد)

وَقَوْلُهَا يُصَلِّی رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ يَعْنِی قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَهُمَا الرَّكْعَتَانِ اللَّتَانِ ذَكَرَهُمَا أَحْمَدُ بْنُ دَاوُد فِی حَدِيثِهِ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّيهِمَا بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ (شرح معانی الآثار، باب الوتر)

اورحضرت ابوسعید خدری اورحضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں سے مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللَّہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنُ اسْتَیُقَظَ مِنُ اللَّیُلِ وَأَیُقَظَ امُرَأَتَہُ فَصَلَّیَا رَکُعَتَیُنِ جَمِیعًا کُتِبَا مِنُ الذَّاکِرِینَ اللَّہَ کَثِیرًا وَالذَّاکِرَاتِ

(ابو داؤد،حدیث نمبر ۱۴۵۱ ،کتاب الصلاۃ،باب الحث علی قیام اللیل)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رات کو بیدار ہو، اور اپنی بیوی کو بھی بیدار کرے، پھر وہ دونوں دو رکعتیں پڑھیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے والوں اور کثرت سے ذکر کرنے والیوں میں لکھے جائیں گے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ رات کو کم از کم دو رکعات پڑھنے پر بھی عظیم ثواب ہے۔

اس قسم کی مختلف احادیث وروایات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے فقہائے کرام نے فرمایا کہ یوں تو دو سے لے کر جتنی بھی چاہیں تہجد کی رکعتیں پڑھنا جائز ہے، البتہ عام حالات میں تہجد کی آٹھ رکعت سنت ہیں، اور تہجد کی کم از کم دو رکعتیں ہیں۔ [۱]

ملحوظ رہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک تہجد کی نماز چار چار، رکعت کرکے پڑھنا افضل ہے، اور بعض کے نزدیک دو دو رکعت کرکے پڑھنا افضل ہے، اور احادیث سے دونوں طرح پڑھنا ثابت ہے۔

تہجد کے لئے اٹھنے کے بعد کی مسنون دعا

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو تہجد کی نماز کے لیے اُٹھتے تھے، تو یہ دعا پڑھتے تھے کہ:

---

[۱] (قولہ وأقلہا علی ما فی الجوہرۃ ثمان) قید بقولہ علی ما فی الجوہرۃ لأنہ فی الحاوی القدسی قال : یصلی ما سہل علیہ ولو رکعتین والسنۃ فیہا ثمانی رکعات بأربع تسلیمات اھـ والتقیید بأربع تسلیمات مبنی علی قول الصاحبین، وأما علی قول الإمام فلا کما ذکرہ فی الحلیۃ، وقال فیہا أیضا، وہذا بناء علی أن أقل تہجدہ -صلی اللہ علیہ وسلم -کان رکعتین، وأن منتہاہ کان ثمانی رکعات أخذا مما فی مبسوط السرخسی .ثم ساق تبعا لشیخہ المحقق ابن الہمام الأحادیث الدالۃ علی ما عینہ فی المبسوط من منتہاہ، وحدیث أبی داود الدال علی أن أقل تہجدہ -صلی اللہ علیہ وسلم -أربع سوی ثلاث الوتر ، وتمام ذلک فیہا فراجعہا، لکن ذکر آخرا عنہ ﷺ من استیقظ من اللیل وأیقظ أہلہ فصلیا رکعتین کتبا من الذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات رواہ النسائی وابن ماجہ وابن حبان فی صحیحہ والحاکم، وقال المنذری صحیح علی شرط الشیخین .اھـ.أقول :فینبغی القول بأن أقل التہجد رکعتان وأوسطہ أربع وأکثرہ ثمان، واللہ أعلم.(ردالمحتار ج۲ ص۲۴،۲۵، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل،مطلب فی صلاۃ اللیل)

اللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُوْرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَلَکَ الْحَمْدُ، أَنْتَ قَيَّامُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَلَکَ الْحَمْدُ، أَنْتَ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ، أَنْتَ الْحَقُّ، وَوَعْدُکَ الْحَقُّ، وَقَوْلُکَ الْحَقُّ، وَلِقَاؤُکَ حَقٌّ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ، اللّٰهُمَّ لَکَ أَسْلَمْتُ، وَبِکَ آمَنْتُ، وَعَلَيْکَ تَوَکَّلْتُ، وَإِلَيْکَ أَنَبْتُ، وَبِکَ خَاصَمْتُ، وَإِلَيْکَ حَاکَمْتُ، فَاغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَأَخَّرْتُ، وَأَسْرَرْتُ وَأَعْلَنْتُ، أَنْتَ إِلٰهِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ.

اے اللہ! تمام تعریفیں آپ کے لیے ہیں، آپ ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہیں، اور آپ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں، آپ ہی آسمانوں اور زمین کو قائم رکھنے والے ہیں، اور آپ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں، آپ آسمانوں اور زمین کے اور ان میں جو چیزیں موجود ہیں، ان کے ربّ ہیں، آپ حق ہیں، اور آپ کا وعدہ حق ہے، اور آپ کا ارشاد حق ہے، اور آپ سے ملاقات حق ہے، اور جنت حق ہے، اور جہنّم حق ہے، اور قیامت حق ہے، اے اللہ! آپ ہی کے لیے میں اسلام لایا، اور آپ ہی پر ایمان لایا، اور آپ پر ہی میں نے توکل اختیار کیا، اور آپ ہی کی طرف میں نے توبہ اور رجوع کیا، اور آپ ہی کی مدد سے میں نے (آپ کے دشمنوں سے) مقابلہ کیا، اور آپ ہی کی طرف میں نے اپنے معاملات کو فیصلے کے لیے پیش کیا ، پس آپ میری مغفرت فرما دیجیے، اُن کمزوریوں کی جو پہلے اور بعد میں مجھ سے سرزد ہوئیں، اور جو میں نے خفیہ اور علانیہ کیں، آپ ہی میرے معبود ہیں، آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں

(مسلم، حدیث نمبر ۷۶۹؛ موطا امام مالک، حدیث نمبر ۴۵۱)

پس تہجد کے لیے اُٹھنے کے بعد یہ دعا پڑھنا سنت ہے۔

اور اسی طرح تہجد کے لیے اُٹھ کر آسمان کی طرف نظر کر کے سورہ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۹۰ کا پڑھنا بھی سنت ہے، جس کا پہلے بخاری شریف کی حدیث میں ذکر گزرا، اور اُس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ.

''بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں''

مقالات ومضامین (اِس دور کے چارہ گر کہاں ہیں؟ قسط۱۶) مفتی محمد امجد حسین

مرضی تری ہر وقت جسے پیشِ نظر رہے

زندگی گزارنے کے بنیادی طور پر دو انداز ہیں، یا دو طریقے ہیں (۱) رب چاہی زندگی گزارنا (۲) من چاہی زندگی گزارنا۔ من چاہی زندگی وہی نافرمانی اور خواہشاتِ نفسانی کی اتباع والی زندگی ہے، جس کی شریعت میں ممانعت وارد ہوئی ہے، اور اس طرزِ زندگی کی مذمت سے قرآن وحدیث لبریز ہیں، گزشتہ ہلاک شدہ قوموں اور امتوں کی خواہش پرستی والی بے لگام زندگی کے مختلف نمونے پیش کر کے قرآن مجید میں اس کی مذمت کی گئی ہے، اور اس طرزِ زندگی سے انبیاء کے متنبہ کرنے کے باوجود باز نہ آنے کو ان کی ہلاکت کی بڑی وجہ قرار دیا گیا ہے۔ رب چاہی زندگی گزارنے کے قواعد وضوابط اور طور وطریقے احکامِ شرع کی شکل میں طے شدہ ہیں۔

اس طریقے کے حاملین احکامِ ربانی کو، شریعت کے مطالبات کو جان کر، مان کر، اپنا کر، اپنے آپ کو ان احکام کے سانچے میں ڈھال کر، ان احکام کی بجا آوری میں حائل ہونے والی اپنی نفسانی خواہشات کو دبا کر، شریعت کے جادہ مستقیم پر چلتے ہوئے زندگی گزارتے ہیں، جس کے نتیجے میں یہ لوگ ان ثمرات وبرکات کے مستحق بنتے ہیں، جو رب چاہی زندگی گزارنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں، قرآن وآحادیث میں جابجا جس کے وعدے کئے گئے ہیں۔

رب چاہی زندگی پر مرتب ہونے والے، حاصل ہونے والے یہ ثمرات وانعامات، تینوں جہانوں، دنیا، برزخ (قبر کی زندگی) اور آخرت میں پھیلے ہوئے اور قسط وار، مرحلہ وار بتدریج حاصل ہوتے ہیں۔

قرآن مجید نے رب چاہی زندگی پر فائز ومرتب ہونے والے تینوں عالموں میں پھیلے ہوئے ان انعامات کو ''حیاتِ طیبہ'' کے جامع عنوان اور نام سے بھی موسوم کیا ہے، یعنی پاکیزہ زندگی، اور رب چاہی زندگی اپنانے والوں کو اس حیاتِ طیبہ کے عطا ہونے کی بشارت سنائی ہے، اور وعدہ کیا ہے، یہ وعدہ وبشارت ایک سے زیادہ موقعوں پر قرآن مجید میں مذکور ہے، اس سلسلہ کی ایک آیت یہ ہے کہ:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّه حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (سورة النحل آیت ۹۷)

ترجمہ: جو شخص نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ مومن بھی ہو تو ہم اس کو (دنیا میں) پاک (اور

آرام کی) زندگی سے زندہ رکھیں گے اور (آخرت میں) ان کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔

دنیا میں پاکیزہ زندگی

دنیا میں اس حیاتِ طیبہ کا مصداق اور اس کی چند نمایاں اور اصولی شکلیں یہ ہیں:

(۱) سکون و اطمینانِ قلبی اور یکسوئی حاصل ہونا (یعنی ایسا آدمی مال وجاہ، دولت و شہرت اور منصب وغیرہ بہت سی مادی نعمتوں سے محروم بھی ہو، لیکن اس کا قلب مطمئن ہوتا ہے۔

(۲) حرص وطمع، لالچ، مال وجاہ کی ہوس (جو روح کے امراض ہیں) سے اس کا دل پاک اور قناعت کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے، اور اصل مالداری دل ہی کی مال داری ہے، (حسبِ حدیث "**الغنی غنی القلب**" ابن حبان) یعنی جس حال میں اللہ نے رکھا ہے، اسی میں خوش ہیں، تقدیر پر راضی ہیں، تھوڑے پر صابر وشاکر ہیں۔

(۳) عمر میں، وقت میں کاموں میں برکت ہوتی ہے، تھوڑے وقت میں زیادہ کام ہو جاتا ہے، اور جو کام ہوتے ہیں، دنیا یا آخرت کے لئے مفید وکارآمد ہوتے ہیں (باعثِ وبال یا باعثِ ندامت نہیں بنتے، کیونکہ وہ کام نفس وشیطان کی تحریک پر اور خواہشاتِ نفسانی ولذاتِ قبیحہ کی تکمیل کے لئے نہیں ہوتے، حدودِ شروع اور حکمِ ربانی کے دائرے میں ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ونصرت اس کے شاملِ حال ہوتی ہے، پورا نظامِ قدرت، نظامِ کائنات، اس کا پشت پناہ ومددگار رہتا ہے۔

برزخ میں پاکیزہ زندگی

برزخ میں حیاتِ طیبہ اس صورت میں حاصل ہوتی ہے کہ حسبِ حدیث شریف قبر اس کے لئے باغیچہ بن جاتی ہے (حدیث کے الفاظ مختصر ہوتے ہیں، لیکن جامع ہوتے ہیں، جنت کا باغیچہ کہہ کر برزخی زندگی میں حاصل ہونے والے بے شمار ولاتعداد انعامات، اعزازات، راحتیں اور لذتیں گویا کہ اس عنوان میں سمیٹ لیں، اسی طرح ایک حدیث میں حساب کتاب کے لئے آنے والے فرشتوں کا اس رب چاہی زندگی گزارنے والی میت کو یہ کہنا بھی منقول ہے کہ "**نم کنومة العروس** (مشکاۃ)" کہ دلہن کی طرح سو جا، اس جملہ میں بھی بڑی گہرائی اور معنویت ہے) جنت کا باغیچہ ہونے میں اگر اس برزخی مکان اور ٹھکانے، قبر کے اندر ہر طرح کے راحت وآرام، نعمت ولذت، آرائش وآسائش حاصل ہونا بیان کر دیا، تو میت کو دلہن سے تشبیہ دے کر اس مکان کے مکین کو ہر طرح کے سکون، کیف وسرور اور اعزاز واکرام حاصل ہونے کو واضح کر دیا، مکان ومکین کی آرائش وآسائش اور راحت وآرام کو دیگر احادیث میں اپنی جزئیات

وتفصیلات کے ساتھ کھول کر بھی بیان کیا گیا ہے۔

آخرت میں پاکیزہ زندگی

قیامت کا پچاس ہزار سالہ ہولناک دن ان پر لمبا نہیں ہوگا، حساب کتاب آسان ہوگا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا (**فاما من اوتی کتابه بیمینه فسوف یحساب حساب یسیرا** ،انشقاق) بعضوں کو عرش کے سائے میں جگہ ملے گی، بعض مشک کے ٹیلوں پر خوش وشاداں بیٹھے ہونگے، پل صراط پر تیزی سے گزر جائیں گے، قیامت کے دن کی تاریکیوں میں ان کو خاص نور عطا ہوگا، جس کی روشنی ان کو قیامت کے دن کی تاریکیوں میں کام آئے گی، فرشتے ان کو پروٹوکول دیں گے اور اعزاز واکرام کریں گے (کہ یہ اس طرف وی آئی پی لوگ ہونگے) اللہ تبارک وتعالیٰ کے شاہی مہمان ہونگے (**یوم نحشر المتقین الی الرحمان وفدا**،مریم۸۵) اللہ تبارک وتعالیٰ کے دیدار اور تخاطب سے مشرف ہونگے، جنتیں ان کے نام الاٹ کی جائیں گی (**اولئک هم الوارثون، الذین یرثون الفردوس هم فیها خالدون**) پچاس ساٹھ سالہ رب چاہی زندگی (یعنی ایمان وعملِ صالح والی زندگی) ہمیں اس الاٹمنٹ اور پلاٹنگ کے قابل بنادے تو یہ سودا مہنگا نہیں، دنیا کی مختلف ٹاؤن شپوں کے پانچ، دس مرلے والے پلاٹوں کی قیمت اور قسطیں بھی تو دس دس، بیس بیس سال بھرنی پڑتی ہیں، دنیا کے ان فانی اور محدود حقیر پلاٹوں کی جنت کی اس پلاٹنگ اور الاٹمنٹ کے مقابلے میں حیثیت ہی کیا ہے، جو ادنیٰ ترین جنتی کو (یعنی اس سب سے گئے گزرے مسلمان کو جو دوزخ میں عرصہ تک پٹنے کٹنے کے بعد نکال کر جنت میں بھیجا جائے گا) بھی اس دنیا (یعنی پورے کرۂ ارض) سے بھی دس گنا بڑی جنت الاٹ کی جائے گی (کما ورد فی حدیث ابی ہریرہ فی مشکاۃ) ع چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

جنت میں داخلہ کے بعد کبھی نکلنا نہیں ہوگا، اور ابدالآباد کی زندگی ہوگی، ہر آدمی کو کن فیکونی اختیارات اللہ تعالیٰ اپنے خزانے سے دیں گے، کن فیکونی اختیارات کا مطلب یہ ہے کہ مقاصد کے حصول کے لئے صرف ارادہ اور خواہش کافی ہوگی، کچھ بھی پاپڑ بیلنے نہیں پڑیں گے، مکمل آٹو میٹک، اور خودکار نظام ہوگا، ادھر ارادہ کیا، ادھر آناً فاناً مقصد حاصل ہوگیا (**ولکم فیها ماتشتهی انفسکم ولکم فیها ماتدعون** ،حم السجدۃ۳۱) دنیا کی زندگی کی طرح مقاصد کے حصول کے لئے اسباب کے جو لمبے چوڑے سلسلے ہیں، ان سلسلوں سے گزر کر وہ مقاصد پورے ہوتے ہیں، جنت میں ایسا نہ ہوگا۔

اس دارالاسباب دنیا کی زندگی میں کسی بھی چھوٹے سے چھوٹے یا بڑے سے بڑے مقصد کے حصول کے لئے متعلقہ اسباب اختیار کرنے پڑتے ہیں، ایک چڑیا کا ایک بٹیرے کا بھی شکار کرنا ہو، یا گندم کا ایک خوشہ اور چاول کی ایک بالی بھی حاصل کرنی ہو، تو شکار اور زراعت وکاشت کاری کے جملہ لوازمات ومراحل سر کرنے پڑیں گے، بلکہ دنیا کا پورا نظام حرکت میں آئے گا، سورج اپنی تپش وحرارت کے زور پر سمندر سے بھاپ اٹھائے گا، ہوائیں اس بھاپ کو فضاؤں میں گھما پھرا کر دوڑا کر بادلوں کی شکل میں کراچی سے گلگت تک پہنچائیں گی، پھر ان بادلوں کو فضا کے ٹھنڈے حصے میں یخ اور ٹھنڈا کر کے بارش بنائیں گی، پھر کسی کسان کی کھیتی میں برسائیں گی، کسان ہل چلائے گا، زمین کی چھاتی کو چیر کر بیج ڈالے گا، حضرت میکائیل علیہ السلام (تکوینی نظام کے وزیرِ خوراک) کا محکمہ حرکت میں آئے گا، اس بیج کو مٹی کے اندھیروں میں کوئی فرشتہ پالے گا، پھر اس تیغ سے پھوٹے گی، پھر بالی بنے گی پھر اس پر سسٹی اور خوشہ آئے گا، پھر تھریشر اور درانتی چلے گی، پھر پن چکی یا آٹا مشین چلے گی، فلور ملوں کی مشینری حرکت میں آئے گی، پھر ایندھن جلے گا، بالن لکڑی، گیس، بجلی استعمال ہوگی، توے کا منہ کالا ہوگا، تب وہ لقمہ حاصل ہوگا، وہ روٹی وجود میں آئے گی، جو حضرت انسان کے بھوک کا تقاضا پورا کرے گی، پیٹ کی آگ بجھائے گی، تو دنیا اس طرح کا دارالاسباب ہے، چھوٹے بڑے ہر مقصد کے حصول کے لئے آسمان سے زمین تک کا سارا نظام حرکت میں رہتا ہے، لیکن جنت میں جو کن فیکونی زندگی حاصل ہوگی، وہاں انسان کے بندۂ مومن کے دل میں ابھرنے والی خواہش اور دماغ میں انگڑائی لینے والا ارادہ ہی سارے اسباب کا قائم مقام ہوگا، ادھر ارادہ کیا، ادھر وہ کام ہوگیا۔

تو رب چاہی زندگی گزارنے کی صورت میں تینوں عالموں میں اس حیاتِ طیبہ کا ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا ہے، اس رب چاہی زندگی کے لئے نفس کو کچلنا پڑے گا، خواہشات کا خون کرنا پڑتا ہے، پابندی اور اتباع والی زندگی اختیار کرنی پڑتی ہے، اور یہ کچھ زیادہ مشکل نہیں، نفس وشیطان کے بہکاوے سے ذرا نکل کر آدمی دیکھے، کوئی بھی مشکل نہیں، چند دن طبیعت کا رخ بدلنا پڑتا ہے، طبیعت آمادہ نہیں ہوتی، اندر کشمکش اٹھتی ہے، پس ہمت نہ ہارے، تجھے راہِ سلوک پر چلنا جو دشوار ہے، تو ہی ہمت ہار ہے، ہاں تو ہی ہمت ہار ہے، راہرو تو جو قدم قدم پر کھا رہا ہے ٹھوکریں، لنگ خود تجھ میں ہے ورنہ راستہ ہموار ہے، جب طبیعت کا رخ ایک دفعہ بدل جائے، کچھ عرصہ کے مجاہدے سے عادات سدھر جائیں، تو احکامِ شرع کی بجا آوری خود طبیعت کا تقاضا بن جاتا ہے، اسی کو بزرگ فرماتے ہیں کہ مجاہدے کے بعد شریعت طبیعت بن جاتی ہے،

یعنی پہلے جو شرعی احکام بتکلف کرنے پڑتے تھے، اب طبیعت کو ان کے بغیر چین نہیں آتا، جیسے بھوکے کو کھانا کھائے بغیر چین نہیں آتا، کیونکہ بھوک میں کھانے کی طلب، پیاس میں پانی کی طلب یہ خود طبیعت کا اندر سے تقاضا ہے، جب مجاہد اور رگڑائی کر کے اندر کا رخ بدل جائے گا، تو احکامِ شرع کی بجا آوری بھی طبیعت کا ذاتی تقاضا بن جائے گی۔

اس لئے خلافِ شرع خواہشات کا خون کر کے، طبیعت اور نفس کے روز و شب کے ناجائز تقاضوں کو پائمال کرنا آدمی سیکھے، ہر ہر گناہ کے موقع پر، گناہ سے بچنے طبیعت کی خواہش کو کچلنے پر دل کی گہرائیوں میں ایمان کی مٹھاس پیدا ہوگی، روحانی سکون محسوس ہوگا، اور اس روحانی لذت اور قلبی سکون کی چاٹ جب ایک دفعہ پڑ جائے، تو یہ نشہ شراب اور ہیروئن کے حرام نشوں سے بھی ہزار گنا زیادہ وولٹیج اور پاور کا ہے، دو آتشہ نشے تو آپ نے سنے ہونگے، یہ ہزاراہا آتشہ ہے، محض ایک رب کی محبت میں اس کا حکم جان کر گناہ سے بچنے اور خواہشوں کا خون کرنے پر جو نقد نعمت ملتی ہے، حیاتِ طیبہ کی اولیں قسط عطا ہوتی ہے، وہ ایمان کی حلاوت قلب کی وہ باطنی کیفیت ہے کہ بعض اوقات یوں لگتا ہے کہ اللہ میاں دل میں آ بیٹھے ہیں۔

وہ شاہ دو جہاں جس دل میں آئے ہیں	مزے دو جہاں سے بڑھ کر وہ پائے ہیں

ایک ایسی اندرونی و باطنی بے نام کیفیت حاصل ہوتی ہے، جس کے مقابلہ میں دنیا کے سارے مزے ساری لذتیں ہیچ ہیں، جن کو اس ایمانی مٹھاس اور باطنی روشنی کا چسکا پڑ جائے، وہ اس کے مقابلے میں ہفت اقلیم کی دولت و سلطنت کو بھی ہیچ سمجھتا ہے۔

دو عالم کو خاطر میں لائے نہ ہم	جانے کیا پا گئے جان عالم سے ہم

آنا لکہ بجز روئے تو جائے نگرانند	کوتاہ نظرانند چہ کوتاہ نظرانند

تاج کمپنی لمٹیڈ

راولپنڈی سیل ایجنسی

اقبال مارکیٹ، اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی

فون:051-5534774 فیکس:051-5774682

نوٹ: تاج کمپنی (راولپنڈی سیل ایجنسی) گوالمنڈی چوک سے اقبال روڈ بالمقابل اشرف بک ایجنسی منتقل ہوگئی ہے

مقالات ومضامین

مولوی محمد ابراہیم خلیل بن مولانا محمد خلیل صاحب رحمہ اللہ

ایک مہاجر فی سبیل اللہ کا سفرِ آخرت (قسط ۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

حامداً ومصلیاً وبعد. فقد قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُه عَلَى اللّٰهِ (سورہ نساء، آیت نمبر ۱۰۰)

وقال علیہ السلام: مَنْ سَلَکَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الجَنَّةِ (ترمذی، أَبْوَابُ الْعِلْمِ ، بَابُ فَضْلِ طَلَبِ العِلْمِ)

معزز قارئین کرام! ماہ جون ۱۹۲۷ء کوسرزمینِ ہندوستان کی خوبصورت ترین، صحت افزا، مرغزار ریاست کشمیر کی حسین ترین ''وادی گریز'' کے قصبہ وان پورہ میں حاجی حبیب اللہ مرحوم کے گھر مستقبل میں ستارہ کی طرح چمکنے والی مذکورہ آیت وحدیث کی مصداق وعملی تصویر ہستی نے آنکھ کھولی، جو ہزاروں علماء، صلحاء، اتقیاء، کا علمی وعملی وروحانی گہوارہ بنا، جس کو اہلِ جہاں مولانا محمد خلیل صاحب کے نام سے جانتے ہیں، حاجی حبیب اللہ مرحوم کا یہ گھرانہ دینداری، غرباء پروری، بے لوث محبت، حسنِ اخلاق، اور مشائخِ دین کی قدردانی میں مشہور تھا، اور آج بھی اپنی منفرد صفات وکمالات میں یہ خاندان اپنے علاقہ میں ضربُ المثل ہے، حضرت رحمہ اللہ کو بھی نالۂ شب، رحمدلی، حسنِ اخلاق، اور انسانیت سے بےلوث محبت گویا ورثہ میں ملی تھیں، آپ کا خاندانی پیشہ زمیندارہ، بکریاں چرانا (سنتِ انبیاء) گھڑ سواری اور پشمینہ کی شالیں، ٹوپیاں بننا تھا، حاجی صاحب رحمہ اللہ گاؤں کے پہلے شخص ہیں، جنہوں نے اپنے فرزندِ ارجمند کو عصری تعلیم کے لیے سکول بھیجا، جہاں آپ نے نویں جماعت تک اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھتے ہوئے دینی تعلیم کے شوق میں اس سلسلہ کو منقطع کر دیا، سکول کے زمانہ میں بھی آپ کا ذوقِ دین، توجہ الی اللہ غالب تھی، حتیٰ کہ اپنے ہم سبق ساتھیوں کو صوم وصلوٰۃ کی پابندی پر آمادہ کیے رکھتے، اور از خود نمازِ پنجگانہ کے ساتھ ساتھ تہجد، واشراق، ودیگر نوافل کا بھی لڑکپن سے اہتمام تھا، آپ اپنی خداداد کمالات وصفاتِ حسنہ کی وجہ سے اپنے بڑوں کی آنکھوں کا تارہ تھے، اپنے جدِ امجد رحمہ اللہ کے ہمراہ شدید برفباری میں بھی مسجد جا کر تہجد وتلاوت کلامُ اللہ کا اہتمام فرماتے، یہاں تک کہ نالۂ سحر گاہی سے عنفوانِ شباب میں ریش مبارک تر ہو جاتی،

ساتویں جماعت میں پڑھتے ہوئے آپ سے بے حد محبت کرنے والی مشفق دادی مرحومہ داغِ مفارقت دے گئیں، جس سے آپ کا دل عصری تعلیم سے اچاٹ ہوکر دینی علوم کے لیے بے تاب تڑپنے لگ گیا، روز بروز علومِ دینیہ کے حصول کا جذبہ آپ کے دل میں زور پکڑتا گیا، تا آنکہ آپ نے عصری علوم میں دلچسپی ترک کردی، اور اپنے اس عظیم مقصد کے لیے بے تاب اور غمزدہ رہنے لگے، نویں جماعت میں پڑھتے ہوئے آپ نے والدین کریمین، اعزہ واقارب، سب کچھ کو اپنے عظیم مقصد پر قربان کرنے کی ٹھان لی۔

فَـاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (سورہ آلِ عمران، آیت نمبر ۱۵۹)

اپنے اس مقصد کو اس قدر صیغۂ راز و قلبِ نہانی میں چھپائے رکھا کہ ماسوائے ایک رفیقِ سفر کے اپنے اس سفر کی کانوں کان کسی کو بھنپ نہ پڑنے دی، بالآخر ایک روز اپنی والدہ ماجدہ رحمہا اللہ سے ۵ روپیہ کی رقم لے کر ننہیال جانے کا بتلاتے ہوئے راہی سفر ہوئے، پہاڑی سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے طلبِ علمِ دین کے شوق سے سرشار ہوکر اکتوبر ۱۹۴۹ء کو ہندستانی حدود عبور کرکے پاکستان کے علاقہ استور/گلگت میں داخل ہوئے، معاً گھر اطلاع بھجوادی کہ ہم حصولِ علم کے عظیم مقصد پر روانہ ہوچکے ہیں، اس بارے میں فکرمند نہ ہوں۔

جہاں اس عظیم راہ کے راہی کے لیے ''سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الجَنَّةِ '' کا مژدہ ہے، وہاں بلند حوصلگی کی تازگی کے لیے ''لكـل شئ آفة وللعلم آفات '' بھی آیا ہے، مصائب وآلام، بے گانگی ومسکنت، فقروفاقہ جیسی کٹھن منزلیں بھی سنگِ میل بتلائی جاتی ہیں، ہجرت پاکستان کی بڑی وجہ آپ کے وجدان وخیال کے مطابق جو ملک کلمۂ طیبہ کی بنیاد پر حاصل کیا گیا ہے، تو منبعِ علوم دارالعلوم دیوبند وارباب علم ودانش، اہلِ فضل وتقویٰ بھی اسی ملک میں بکثرت ہوں گے، اور وہاں کا نظام قرآن وسنت کے عین مطابق ہوگا، مگر قدرت کو اس ہستی سے کچھ اور ہی منظور تھا کہ یہ طالبِ صادق ساقئ دوراں ہوگا، جس کے علم وورع کا چرچا چہار سو ہوگا، اور اس کی محبت کے پتنگوں سے پاکستان کا کوئی گوشہ خالی نہ رہے گا، اور اقبال کے اس شعر کا حقیقی مصداق ہوگا ''زندگی ہو شمع کی صورت خدایا میری'' وللہ الفضل۔

پاکستان پہنچتے ہی اولاً تعلیم یافتہ جان کر دفترِ تحصیل میں ملازمت پیش کی جاتی ہے، جس کو یہ طالبِ علم صادق

ٹھکراتا ہے، تو اسے مضطرب کرنے کے لیے چھ ماہ حوالات کی نظر کر دیا جاتا ہے، کہ شاید ملازمت پر آمادہ ہو جائے، مگر اس درویش خدامست کو ملازمت سے کیا لگاؤ، جو اپنے کھاتے پیتے گھرانہ اور ہر دنیوی نعمت کو دین کی خاطر خیر باد کہہ چکا تھا، ثابت قدم رہے۔

رفیقِ سفر نے زادِ راہ ختم ہوتے ہی ملازمت کی راہ لی، اور آپ نے رمضان کے تین روزے پانی سے رکھے اور کھولے، تا آنکہ شدت بھوک سے بیہوش ہو کر گر پڑے، اتنے میں کسی نمبردار کے یہاں سے ڈیڑھ ماہ تک دووقت اعلیٰ قسم کے کھانے کا انتظام ہو گیا، حوالات کے قیام میں مسجد کی خدمت امامت ذمہ لے لی، اور اپنے والد مرحوم کے بعض جاننے والوں کے تعاون سے بطور قرض سامان خورد ونوش کی مختصر سی دوکان مسجد کے حجرہ میں قائم کر لی، اس سامان سے آپ کو/۳۵۰ روپیہ کا نفع حاصل ہوا، جس سے آپ نے قرضے اُتارے، اور بقیہ سے زادِ راہ اور درسی کتب خرید کر اپنی تشنگی کو بجھانے کا سامان واسباب تلاش کرنے کی خاطر گلگت سے ہزارہ تا مظفر آباد کے علماء کرام سے اکتسابِ فیض کیا، قیامِ مظفر آباد میں جماعتِ تبلیغ سے ایسا تعارف ہوا، جو زندگی بھر رگ وپے کا جزو لازم بنا رہا کہ آپ کو فناء فی اللہ کے ساتھ فنا فی التبلیغ گردانا گیا۔

ادھر آپ کی والدہ مرحومہ آپ کے فراق میں بیمار ولاغر ہوتی گئیں، آئے روز وادی کے بلند وبالا پہاڑوں کو صبح تا شام تاکتی رہتیں کہ شاید کسی چوٹی سے میرا خلیل نمودار ہو جائے، جس کی زندگی اور موت کی کوئی خبر نہیں، اس انتظار میں موسمِ گرما ختم ہو کر موسمِ سرما شروع ہو جاتا، اور پہاڑوں پر دبیز برف کی تہہ جم جاتی، جس سے والدہ مرحومہ کی امیدیں سینہ میں دبی رہ کر نالۂ فغاں بن جاتیں، اطراف واکناف کے لوگوں سے اللہ کی تلاش میں گئے بیٹے کی بات پوچھتے پوچھتے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر آنسودل کی چھاگل سے چھلک کر موتی پروتے، اور حضرت یوسف علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کے الفاظ کی ترجمانی کرتے۔ ”إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ“

مگر ہر طرف سے خاموشی وغمگساری کے علاوہ جواب نہ ملتا، آپ بھی تندیٔ بادوباراں سے دل میں جنبش لیتے، اور والدین کی محبت میں بے چین ہو کر اپنے آنسوؤں سے سرزمینِ پاکستان کو سیراب کرتے، مگر قریب قریب والدین سے ملاقات کا کوئی امکان نہیں، تین سال کے بعد آپ کا خط والدین کو موصول ہوا، جس کے پہنچنے پر تمام اعزہ جمع ہو گئے، اور والدہ کے آنسوؤں سے تر بہ تر ہو کر وہ خط اپنی اصلی حالت پر نہ رہا، لیکن ایک خوشی اس سے ملی کہ زندہ ہیں، اور ڈھارس بندھی۔ (جاری ہے......)

مقالات ومضامین مفتی محمد امجد حسین

قلعہ روہتاس اور کھیوڑہ (کوہستانِ نمک) کا ایک سفر (قسط۱)

بروز جمعرات ۱۰/ مارچ ،۴/ ربیع الآخر ۱۴۳۲ھ کو حضرت جی مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم کی معیت وہمرکابی میں ہم ادارہ کے چند اساتذہ اور دارالافتاء کے احباب کا بغرضِ تفریح وسیر فی الارض (قل سیروا فی الارض) کھیوڑہ (نمک کی کان) کا دورہ ہوا۔

موسم گزشتہ چند روز سے بڑا سہانا تھا، بہار کی آمد آمد تھی، بہار میں جس طرح زمین روئیدگی سے لبریز ہوکر سبز پوشاک پہن کر نوعروس دلہن کی طرح دامنِ دل کو کھینچتی، اس کے دشت وجبل، کوہ ودمن، باغ وچمن، خزاں رسیدگی سے گزر کر نئے سرے سے زندگی کی امنگوں سے سرشار ہوکر اپنی کھوئی ہوئی رونقیں بحال کرتے، چرند، پرند، اور مرغ ومور گل وگلزار کے لہکنے، مہکنے اور چٹکنے سے مست ہوکر سبزہ زاروں میں کلیلیں بھرتے، چوکڑیاں مارتے اور مرغ زاروں میں نغمہ سنج ہوتے ہیں، تو ایسے عالم میں انسان کی طبیعت بھی بہار آفریں احساسات سے خوش وخرم ہوجاتی ہے، آخر انسان ہی تو اس کائنات کا دولہا اور پورے آفاق میں پھیلی قدرت کی ان شاہکار صناعیوں کا رازدار اور رمز شناس ہے۔

اللہ تعالیٰ زندگی وخوش گواری سے بھرپور ان قدرتی بہاروں کی طرح پاک وطن کے باسیوں کی زندگی، طرزِ زندگی اور نظامِ زندگی کو بھی باغ وبہار بنادے کہ یہاں انسانی زندگیاں، سارا نظامِ حیات اور پورا ریاستی ڈھانچہ خزاں رسیدہ ہوتا جارہا ہے، اور ملک وملت کا چراغ آندھیوں کے رخ پر رکھے ٹمٹماتے چراغ کا منظر پیش کررہا ہے۔ ؎

یارب میرے وطن کو ایک ایسی بہار دے جو سارے ایشیا کی زمین کو نکھار دے

دس مارچ کو صبح فجر کی نماز کے بعد ضروری معمولات سے فارغ ہوکر تقریباً پونے سات بجے ادارہ کی گاڑی میں ادارہ سے روانگی ہوئی، صدر میں واران ڈپو کے سامنے راحت کیفے پر ناشتہ کا نظم طے تھا، تقریباً ساڑھے سات بجے تک ناشتہ سے فراغت ہوئی، جی ٹی روڈ کے بجائے موٹروے سے جانے کی ترتیب تھی۔

آٹھ بجے تک موٹروے پر پہنچے، آٹھ سے گیارہ بجے تک لگ بھگ تین گھنٹے موٹروے پر سفر کیا، راستے میں دوجگہ مختصر قیام بھی کیا۔

ایک تو موٹروے کے شروع میں چند کلومیٹر پر اس پارک میں کچھ دیر کے لئے ٹھہرے، جہاں موٹروے کا برج نما ماڈل بنا ہوا ہے، اور اس پر موٹروے کے افتتاح کی تختی لگی ہوئی ہے (نومبر 1997ء میں نواز شریف صاحب کے ذریعہ سے اس کا افتتاح ہوا تھا) بظاہر تو موٹروے اور جرنیلی سڑک (یعنی موجودہ جی ٹی روڈ) کے درمیان چند گھنٹوں کی مسافت ہے، لیکن تاریخ کو یہ مسافت ساڑھے چار سو سال میں طے کرنی پڑی ہے، جرنیلی سڑک کے بانی شیر شاہ سوری سے موٹروے کے بانی میاں نواز شریف صاحب تک ایک لمبا زمانی وقفہ ہے، موٹروے نے فاصلوں کو جس طرح سمیٹا ہے، اور سفر کو پُر راحت بنایا ہے، یہ اہلِ پاکستان کے لئے اسی قسم کی نعمت ہے، جیسے جرنیلی سڑک نے اپنے زمانہ میں پشاور سے خلیج بنگال کے ساحل تک پورے ہندوستان کو ایک لڑی میں پرویا تھا، اور فاصلوں کو لپیٹا تھا، بعض نعمتیں انسان کو ایسی حاصل ہوتی ہیں، کہ ان کا احساس صحیح معنوں میں نہیں ہوتا، وقت گزرنے کے بعد یا نعمت چھننے پر اس نعمت کی قدر و قیمت کا احساس ہوتا ہے، مستقبل کا مؤرخ جب اس کی اہمیت کا تجزیہ تاریخ کے پلندوں کے سفید اوراق میں قلم کی سیاہی سے کرتا ہے، تو لوگ ماضی کے خواب دیکھنے لگتے ہیں۔

دوسرا ٹھہراؤ کلر کہار کے علاقے میں موٹروے کے قیام گاہ پر ہوا، کلر کہار بھی تاریخی اہمیت کا حامل پرفضا مقام ہے، یہاں لوگ سیاحت کے لئے آتے ہیں، کلر کہار کی جھیل مشہور ہے، یہاں ایک تاریخی اہمیت کا حامل صدیوں پرانا کنواں بھی ہے، جس کے آثار سلطنتِ مغلیہ کے بانی ظہیر الدین بابر (ببر بمعنیٰ شیر، بزبانِ ترکی) سے جا ملتے ہیں، بابر کے اور آثار بھی کلر کہار کے علاقے میں ہیں، ہندوستان فتح کرنے کی مہمات کے دوران اس علاقے سے اس کا گزر اور یہاں اس کا قیام ہوا تھا، کچھ دیر کلر کہار قیام اور ہلکے پھلکے طعام کے بعد روانہ ہوئے۔

اور للٰہ انٹرچینج سے نکل کر پنڈ دادن خان کے راستے بارہ بجے کھیوڑہ کان کے صدر دروازہ پر پہنچے۔

کھیوڑہ نمک کی کان جو دنیا کی دوسری بڑی نمک کی کان ہے (قدرتی پہاڑی نمک کی اس طرح کی دوسری کان یورپی ملک پولینڈ میں واقع ہے) یہ کوہستانِ نمک کے پہاڑی سلسلے میں تحصیل پنڈ دادن خان (ضلع جہلم) کے قریب قصبہ کھیوڑہ میں واقع ہے، کوہستانِ نمک کا یہ پہاڑی سلسلہ کئی سو کلومیٹر لمبائی میں چکوال، پنڈ دادن خان، جہلم، میانوالی، سرگودھا کے علاقوں میں پھیلا ہوا ہے، اور اپنی ایک مستقل قدرتی پٹی بناتا ہوا ان سب علاقوں سے گزرتا ہے۔

کوہستان نمک کے اس پہاڑی سلسلے کی حربی اور دفاعی نکتہ نظر سے ماضی کی سینکڑوں سالہ تاریخ میں ہمیشہ بڑی اہمیت رہی ہے، شمال (وسطی ایشیا، افغانستان) کی طرف سے آنے والے فاتحین خصوصاً مسلم فاتحین غزنوی، غوری، پٹھان، مغل، افغان اس سلسلۂ کوہ کو بڑی اہمیت دیتے رہے ہیں، جس پر شیر شاہ سوری (فرید خان افغان) کا جہلم کے قریب کوہستانِ نمک کے دامن میں بنایا ہوا قلعہ روہتاس گواہ ہے (جس کا آگے ذکر آتا ہے)

اس سلسلۂ کوہ کی حربی وجنگی اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ شمال مغرب کی طرف سے آنے والا کوئی بھی حملہ آور اس پہاڑی درے سے اپنی فوج گزار کر دفعۃً پنجاب کے میدانوں کے بیچوں بیچ آدھمکتا، آگے سارا پنجاب اور ہندوستان اس کے لئے کھلا میدان ہوتا، ان پہاڑی سلسلوں کے پیچھے رہتے ہوئے اس کی فوجی نقل وحمل، اور جنگی تیاریوں کا کوہستان نمک کے اس پار والوں کو وہم وگمان بھی نہ ہوتا، اس سلسلۂ کوہ کے پیچھے تیاریاں مکمل کر کے، تازہ دم ہوکر جب وہ آناً فاناً پہاڑی درے ٹاپ کر غنیم کے سر پر پہنچتا، تو کسی کو سنبھلنے کا موقع بھی نہ ملتا۔

کوہستان نمک کے اس پہاڑی سلسلے میں کھیوڑہ کے علاوہ کالاباغ (میانوالی) وارچھا (سرگودھا) میں بھی نمک نکالا جاتا ہے، نمک کے علاوہ چونے، کوئلے کے وسیع ذخائر بھی اس سلسلۂ کوہ میں پائے جاتے ہیں، اور مختلف مقامات پر ان کی کانیں ہیں، کھیوڑہ سے نمک نکالے جانے کی تاریخ بڑی پرانی ہے، کہا جاتا ہے کہ اول اول سکندر اعظم کے زمانے میں یہاں نمک دریافت ہوا تھا، واللہ اعلم۔

سکندر اعظم کا یہاں آنا اور جہلم کے پاس پنڈ دادنخان کے اسی علاقے میں اپنا فوجی کیمپ لگانا، اور راجہ پورس سے اس کی جنگ ہونا، قدیم تاریخوں میں مذکور اور مشہور ومعروف ہے [۱] اور سکندر تو قبل مسیح کے زمانے کا فاتح جنگجو ہے۔

البتہ باضابطہ طریقہ پر یہاں کان کنی کے ذریعے نمک کے حصول کا عمل عہدِ مغلیہ میں شروع ہونا بیان کیا جاتا ہے، انگریزی دور میں اس میں مزید وسعت ہوئی، اور قیامِ پاکستان کے بعد اس کو خوب ترقی دی گئی، چنانچہ پاکستان کی برآمدات میں نمک سرِ فہرست ہے، گویا کہ دنیا جہان والے پاکستان کا نمک کھاتے ہیں (نمک کے علاوہ مالٹا ''کنو'' بھی پاکستان کی سب سے بڑی برآمدات میں سے ہے)

---

۱ جہلم شہر کے قریب آثارِ قدیمہ کی بعض کھدائیوں میں گندھارا عہد کے مجسمے اور بعض یونانی اشیاء بھی برآمد ہوئی ہیں، ان میں سے پتھر کا ایک ستون بھی تھا، جو لاہور کے عجائب گھر میں رکھا گیا (ملاحظہ ہو: دائرۃ المعارف الاسلامیہ، اردو، ج۷ ص۵۵۵)

نمک کی کان کے اوپر نیچے سرنگیں (منزلیں) درجن بھر سے زیادہ ہیں، یہاں کا نمک دنیا کا بہترین چٹانی نمک شمار ہوتا ہے (یہ نمک کھانے کے علاوہ چمڑا رنگنے، مختلف قسم کے کیمیکل بنانے اور ادویات سازی میں بھی وسیع پیمانے پر کام میں لایا جاتا ہے)

نمک کی کان کا مطالعاتی دورہ ڈیڑھ گھنٹے میں پورا ہوا، یہاں کان میں داخلہ ٹکٹ کے ذریعہ ہوتا ہے، عام ٹکٹ ایک سوبیس روپے کا ہے (طالب علموں کے لئے رعایتی ٹکٹ اس سے آدھی شرح کا ہے، تقریباً دوسال پہلے بھی بعض احباب کے ساتھ میرا یہاں آنا ہوا تھا، اس وقت غالبا نوے یا سو روپے کا ٹکٹ تھا) کان کے اندر لائن بھی بچھی ہوئی ہے، جس پر چھوٹی ریل نما گاڑی چلتی ہے، بعض لوگ اس گاڑی کے ذریعے بھی کان کی مرکزی سرنگ کے دھانے سے اندر تفریحی پوائنٹ تک جاتے ہیں، جس کا الگ ٹکٹ مقرر ہے، کیونکہ غار کے اندر تفریحی پوائنٹ میل بھر چلنے کے بعد آتا ہے، مگر احباب نے یہ سفر بوجوہ پیدل کرنے کو ترجیح دی۔

ڈیڑھ بجے کے قریب کان کی سیر سے فارغ ہوکر باہر نکلے، کان کے باہر بہت کھلی اور پرفضا جگہ ہے، جہاں نمک کے بنے گلدان، لیمپ، مختلف ظروف اور کھلونوں کی دوکانیں بھی ہیں، پہاڑی کے دامن میں ریلوے لائن بھی گزرتی ہے، اور اسٹیشن بھی ہے، عرصہ سے یہ ریلوے لائن ویران ہوچکی ہے، یہاں سے اب مسافر گاڑیاں نہیں گزرتیں (البتہ نمک کی سپلائی کا سلسلہ قائم ہے)

کان سے نکل کر ذرا فاصلے پر آئی سی آئی (ICI) پینٹ وغیرہ مصنوعات بنانے والی وسیع وعریض رقبے پر پھیلی ہوئی مشہور برٹش کمپنی ہے، کان کے اندر نمک کے پانی کے دسیوں بڑے بڑے حوض ہیں، جن میں سے بعض کی گہرائی سو (۱۰۰) فٹ سے بھی زیادہ ہے، یہاں سے نمک کا پانی پائپ لائن کے ذریعے مذکورہ کمپنی کو سپلائی ہوتا ہے، سرنگ کے اندر دونوں طرف نالیاں بنی ہوئی ہیں، جہاں سے نمک کے پانی کی باہر کو نکاسی ہوتی ہے۔

کان کے اندر پہاڑ کی چوٹی سے نیچے تک ایسے سرنگ نما راستے بنائے گئے ہیں، جن سے ہوا آرپار ہوتی ہے، یہ سرنگ کان کے دھانے کی طرف اس طرح بنائے گئے ہیں کہ گرمی سردی میں کان کا اندر کا ٹمپریچر اور درجہ حرارت یکساں رہتا ہے۔

کان کے اندر بڑی پرکیف اور راحت بخش فضا ہے، یہاں گرمی سردی کا باہر والا موسم اثر انداز نہیں ہوتا،

سردیوں میں یہاں گرمائش اور گرمیوں میں خنکی کا احساس ہوتا ہے۔

یہاں کی نمکین فضا دمہ اور الرجی کے مرض کا قدرتی علاج ہے، ایسے مریضوں کو ٹھہرانے کا یہاں انتظام ہے، لیکن دن دن میں مریضوں کو یہاں ٹھہرایا جاتا ہے، شام کو منتقل کر دیا جاتا ہے۔

یہاں سے روزانہ سینکڑوں ٹن نمک نکالا جاتا ہے، جو ملکی ضروریات پوری کرنے کے ساتھ ساتھ برآمدات کی صورت میں ملکی آمدنی کا بڑا ذریعہ ہے۔

کان کے باہر پہاڑی کے دامن میں کھلی جگہ پر پُر فضا مسجد ہے، یہاں ظہر کی نماز پڑھی۔

اور تقریباً دو بجے دوبارہ سفر شروع ہوا، ہمارے سفر کی اگلی منزل قلعہ روہتاس تھی، جو جہلم سے پندرہ سے بیس کلومیٹر کے فاصلے پر جی ٹی روڈ پر راولپنڈی کی طرف آتے ہوئے دینہ شہر کے عقب میں کوہستان نمک کے دامن میں واقع ہے۔

جہلم سے پنڈی کی طرف آتے ہوئے دینہ سے تھوڑا سا پہلے عین جی ٹی روڈ سے بائیں ہاتھ پر ایک روڈ اندر کو مڑتی ہے، یہاں قلعہ روہتاس کا بورڈ بھی لگا ہوا ہے، اس روڈ پر اندر جا کر تقریباً آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر قلعہ روہتاس ہے، بلکہ یہ روڈ قلعہ روہتاس کے مرکزی دروازہ پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے، آگے قلعہ ہے، اور قلعہ کے عقب میں کوہستانِ نمک کا پہاڑی سلسلہ ہے۔

قلعہ کی فصیلوں پر چڑھ کر ارد گرد نظر دوڑائی جائے تو خطہ پوٹھوار اپنے قدرتی خدوخال کے ساتھ نمایاں ہوتا ہے۔ [۱] (جاری ہے............)

---

[۱] جغرافیائی لحاظ سے یہ پورا علاقہ سطح مرتفع پوٹھوار کہلاتا ہے۔

سطح مرتفع ایسے علاقے کو کہتے ہیں، جو ٹیلوں پر مشتمل پہاڑ سے کم بلند اور اس کی بالائی سطح ناہموار ہو، پوٹھوار کا بیشتر علاقہ اسی نوعیت کا ہے، یہاں کٹی پھٹی سطح زمین، جاڑ جھنکار سے اٹے ہوئے ٹیلے، اور نشیب و فراز لئے ہوئے رقبے پورے خطے میں پھیلے ہوئے ہیں، پوٹھوار کا یہ خطہ مغرب میں دریائے سندھ، مشرق میں دریائے جہلم، شمال میں ہمالیہ کے پہاڑی سلسلہ (جو کشمیر کے ساتھ اس کی سرحد بناتا ہے) اور جنوب میں کوہستان نمک کے درمیان واقع ہے، خطہ پوٹھوار ان اضلاع پر مشتمل ہے، اٹک، راولپنڈی، چکوال اور جہلم، یہاں کاشت کاری کا انحصار زیادہ تر بارش پر ہے، معدنیات سے یہ پورا خطہ مالا مال ہے۔

پچھلے دور میں پنجاب کی ایک بہت بڑی صاحبِ علم ہستی نے خطہ پوٹھوار کی یہ چار خصوصیات بیان کی تھیں، شاید اپنے تجربہ سے اخذ کی ہوں:

زمین ہموار نہیں، درخت پھل دار نہیں
موسم کا اعتبار نہیں، لوگ وفادار نہیں

یہاں کے مکین و مکان، موسم و ماحول کا ایک تجزیہ ہے، باقی مستثنیات ہر چیز میں ہوتی ہیں (بروایت راقم کے والد مولانا عبداللطیف صاحب مدفیوضہم)

مقالات ومضامین

مفتی منظور احمد

ناجائز اشیاء کی تجارت سے بچنا (قسط۱)

شریعت نے جن اشیاء کوحرام اوران کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے ان کی تجارت جہاں شریعت کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے سخت گناہ اورآخرت میں عذاب اور پکڑ کا باعث ہے وہاں دنیا میں مال کے اندر بے برکتی ،مختلف تکالیف ، بیماریوں اورآفات کے نزول کا باعث ہے،ایسے تاجر ہمیشہ مختلف مسائل اورمشکلات کا شکار رہتے ہیں ،جس کی وجہ سے ان کی زندگی کا چین وسکون برباد اورزندگی اجیرن ہو جاتی ہے،لہذا آخرت کی طرح دنیاوی سکون اور مال میں برکت کے لئے بھی ایسی اشیاء کی تجارت سے بچنا ایک مسلمان کیلئے ضروری ہے۔

جن اشیاء کی تجارت سے شریعت نے منع فرمایا ہے ذیل میں ان کی کچھ تفصیل درج کی جاتی ہے۔

(۱)......شراب

قرآن وسنت میں جہاں شراب کے پینے اوراس کے استعمال کی حرمت بڑے واضح انداز میں ذکر کی گئی ہے وہاں اس کی خرید وفروخت کوبھی صراحت کے ساتھ حرام قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے واضح انداز میں اپنی احادیث میں اس سے منع فرمایا ہے۔

نمونہ کے طور پر چند احادیث ملاحظہ ہوں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

> جب سورہ بقرہ کی آخری آیات (ربا اور تجارت سے متعلق) نازل ہوئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا شراب کی تجارت حرام قرار دی گئی ہے (بخاری، ج۱ص۲۹۷، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے شراب پر اور اسکے پینے والے پر، اس کے پلانے والے پر، اسکے خریدنے والے پر، اسکے بیچنے والے پر، اسکے نچوڑنے والے پر، اس

کے نچڑوانے والے پر، اس کے اٹھانے والے پر اور اس پر جس کی طرف اٹھا کر لے جایا جائے (الترغیب والترہیب، باب الترھیب من شرب الخمر الخ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لعنت کرے یہود پر، بے شک اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی کو حرام کیا تو انہوں نے اس کو بیچ کر اسکی کمائی کھائی، جبکہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر کسی چیز کا کھانا حرام کرے تو ان پر اس کی کمائی بھی حرام کرتا ہے (حوالہ بالا)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص شراب بیچ کر اس کی کمائی استعمال کرے اسے چاہیے کہ وہ خنزیر کو بھی کھائے (یعنی یہ دونوں حرام ہونے میں برابر ہیں) (حوالہ بالا)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس لوگوں پر لعنت فرمائی، اسے نچوڑنے والے پر، اسے نچڑوانے والے پر، اسے پینے والے پر، اسے اٹھا کر لانے والے پر، اس پر جسکی طرف اسے اٹھا کر لے جایا جائے، اسے پلانے والے پر، اسے بیچنے والے پر، اس کی کمائی کھانے والے پر، اسے خریدنے والے پر اور اس پر جس کیلئے اسے خریدا جائے (حوالہ بالا)

ان احادیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شراب کی تجارت تاجر اور پورے معاشرے کیلئے کتنی خطرناک ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے والی اور زندگی میں بے برکتی پیدا کرنے والی ہے۔

مگر افسوس کے آج دنیا کے چند ٹکوں کی خاطر دنیا کے بیسیوں لوگ اور کمپنیاں اس میں ملوث ہیں اور اسے ایک کامیاب ترین کاروبار سمجھ کر لوگ اختیار کررہے ہیں، ہر اچھے اور کامیاب سٹور کیلئے شراب کی آئیٹم کا ہونا لازمی سمجھا جاتا ہے، مگر اس کا کسی کو خیال نہیں کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے آخرت کا وبال تو ہے ہی لیکن ساتھ ساتھ دنیا کی زندگی، کاروبار، گھربار اور پورا معاشرہ ایک خطرناک اذیت، بے چینی اور اضطراب کا شکار ہوجاتا ہے، اس تجارت کی وجہ سے مختلف مسائل، بیماریوں، پریشانیوں میں مبتلاء ہوکر ایک دن تاجر اپنی ساری جمع پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ (جاری ہے……)

Idara Ghufran

مقالات و مضامین

مفتی محمد رضوان

کھیل کود میں غلو

اس زمانے میں جن بے شمار فتنوں نے انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لیا ہے، ان میں ایک عظیم فتنہ یہ ہے کہ غیر واقعی چیزوں کو واقعی اور کھیل کود کو حقیقت کا درجہ دے دیا گیا ہے۔

چنانچہ ذرائع ابلاغ پر بے شمار پروگرام غیر واقعی ہوتے ہیں، جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، ان پروگراموں میں نہ جانے کتنی مرتبہ ایک انسان پیدا ہوتا ہے، اور فوت ہوتا ہے۔

کبھی شادی شدہ ظاہر کیا جاتا ہے، کبھی غیر شادی شدہ، کسی پروگرام میں نکاح ہوتا ہے، تو کسی پروگرام میں طلاق، کسی میں مسلمان ہوتا ہے، تو کسی میں کافر، کسی میں شریف ہوتا ہے، تو کسی میں ذلیل وخبیث، کسی میں ڈاکو اور قاتل وظالم ہوتا ہے، تو کسی میں کچھ اور۔

اور ان پروگراموں کو حقیقت کے بالکل قریب کر کے تیار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، دیکھنے اور سننے والے بھی ان پروگراموں سے اسی طرح کا اثر لیتے ہیں، جس طرح کا سچے واقعات سے اثر لیا جاتا ہے۔

اسی طرح کھیل کود، جو زیادہ سے زیادہ بعض صورتوں میں اپنی ذات کی حد تک ایک ورزش میں داخل ہو کر جائز یا مستحب عمل شمار ہوسکتا تھا، بشرطیکہ شرعی حدود کی رعایت کی جائے۔

مگر اب کھیل کود کا معاملہ بھی اپنی حدود سے نکل کر بہت آگے بڑھ چکا ہے، ایک تو بہت سے لوگوں نے اسے مقصدِ زندگی بنالیا ہے، اور اس کی خاطر ہر طرح کی جانی، مالی اور وقت کی قربانی سے دریغ نہیں کیا جاتا، کھیل کود کو مقصدِ زندگی بنانا ایمان والوں کی شان نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ وطیرہ کافروں کا بیان فرمایا ہے۔

اسی وجہ سے سارے کام کاج اور مصروفیاتِ زندگی کو چھوڑ کر اس میں مشغول ہوا جاتا ہے۔

دوسرے اسے حقیقی فتح وشکست کا درجہ دے دیا گیا ہے۔

تیسرے اس میں جوا، سود، بے حیائی جیسی کئی گناہ کی چیزیں شامل ہوگئی ہیں، جو کہ دنیا وآخرت کے لئے سخت تباہ کن ہے۔

لہٰذا اس طرزِ عمل سے بچنے کی سخت ضرورت ہے۔

مقالات ومضامین

مفتی محمد رضوان

تداعی کے ساتھ جماعتی ذکر (قسط۴)

(چند شبہات کا ازالہ)

قرآن مجید کی تلاوت وتدریس کے لئے جمع ہونا

مروجہ مجالسِ ذکر کے مدعی حضرات اپنے اجتماعی ذکر پر ایک استدلال اس حدیث سے کرتے ہیں، جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

وَمَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَلْتَمِسُ فِیْهِ عِلْمًا، سَهَّلَ اللهُ لَهٗ بِهٖ طَرِیْقًا إِلَی الْجَنَّةِ، وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِی بَیْتٍ مِنْ بُیُوتِ اللهِ، یَتْلُونَ کِتَابَ اللهِ، وَیَتَدَارَسُونَهٗ بَیْنَهُمْ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَیْهِمِ السَّکِیْنَةُ، وَغَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِکَةُ، وَذَکَرَهُمُ اللهُ فِیمَنْ عِنْدَهٗ،وَمَنْ بَطَّأَ بِهٖ عَمَلُهٗ، لَمْ یُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ (مسلم،حدیث نمبر ۲۶۹۹)

ترجمہ: اور جو شخص کسی راستے پر چلا، جس میں وہ علم کو تلاش کررہا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے ذریعہ سے جنت کی طرف راستے کو سہل بنادیتے ہیں، اور جو قوم بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوکر کتابُ اللہ کی تلاوت اور باہم درس وتدریس کرتی ہے، تو ان لوگوں پر سکینہ نازل ہوتا ہے، اور ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے، اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، اور ان کا ذکر اللہ تعالیٰ اپنے پاس کی مخلوق (یعنی فرشتوں) میں کرتے ہیں، اور جس کا عمل سست ہو، تو اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا (ترجمہ ختم)

لیکن اس حدیث سے مروجہ اجتماعی ذکر پر استدلال کرنا محلِ نظر ہے، کیونکہ اولاً تو بہت سے اہلِ علم کی تصریح کے مطابق اس حدیث میں کتاب اللہ کی تلاوت سے مراد اس کا تعلم وتعلیم ہے۔

اور اس کی تائید خود مذکورہ حدیث کے الفاظ اور دوسری احادیث وروایات سے بھی ہوتی ہے۔

چنانچہ مذکورہ حدیث میں پہلے علم کے لئے سفر کرنے کی فضیلت بیان کی گئی، اور اس کے بعد پھر کتاب اللہ کی تلاوت اور درس وتدریس کا ذکر کیا گیا۔

اور مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

مَا مِنْ قَوْمٍ يَجْتَمِعُونَ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، يَقْرَءُونَ وَيَتَعَلَّمُونَ كِتَابَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ يَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ، إِلَّا حَفَّتْ بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ، وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَسْلُكُ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ بِهِ الْعِلْمَ، إِلَّا سَهَّلَ لَهُ بِهِ _أَوْ سُهِّلَ بِهِ _طَرِيقًا الْجَنَّةِ،وَمَنْ يُبْطِءُ بِهِ عَمَلُهُ، لَا يُسْرِعُ بِهِ نَسَبُهُ " (مسنداحمد،حديث نمبر ۹۲۷۴)

ترجمہ: اور جو قوم بھی اللہ عزوجل کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوکر اللہ عزوجل کی کتاب کی قرأت اور تعلیم حاصل کرتی ہے، اور باہم درس وتدریس کرتی ہے، تو ان لوگوں کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، اور ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے، اور ان کا ذکر اللہ تعالیٰ اپنے پاس کی مخلوق (یعنی فرشتوں) میں کرتے ہیں، اور جو شخص بھی کسی راستے پر چلا، جس میں وہ علم کو تلاش کر رہا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے ذریعہ سے جنت کی طرف راستے کو سہل بنادیتے ہیں، اور جس کا عمل سست ہو، تو اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا (ترجمہ ختم)

اس حدیث کی سند بخاری ومسلم کی شرط پر ہے۔ [1]

اس حدیث میں کتابُ اللہ کی قرأت کی تشریح، اس کے تعلم اور تدارس سے کی گئی ہے۔

اور امام احمد رحمہ اللہ، حضرت ابراہیم بن حسن باہلی سے، اور وہ حضرت ابوعوانہ سے، اور وہ حضرت اعمش سے، اور وہ حضرت ابوصالح سے، اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس طرح روایت کرتے ہیں کہ:

مَا مِنْ قَوْمٍ يَجْتَمِعُونَ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللهِ عزوجل يَتَعَلَّمُونَ كِتَابَ اللهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ ؛ إِلا حَفَّتْ بِهِمُ الْمَلائِكَةُ ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ ، وذكرهم الله فيمن عنده ،وَمامِنْ رجل يسْلُكُ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فيه الْعِلْمَ ؛الا سَهَّلَ اللهُ عزوجل لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ (الزهد لأحمد بن حنبل، حديث نمبر ۱۲۸، واللفظ لهٗ، المجالسة وجواهر العلم للدينورى، حديث نمبر ۲۳۴۴)

ترجمہ: اور جو قوم بھی اللہ عزوجل کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوکر اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تعلیم حاصل کرتی ہے، اور باہم درس وتدریس کرتی ہے، تو ان لوگوں کو فرشتے گھیر

---

[1] فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين .أبو عوانة :هو الوضاح بن عبد الله اليشكرى.

لیتے ہیں، اوران کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے، اوران کا ذکر اللہ تعالیٰ اپنے پاس کی مخلوق (یعنی فرشتوں) میں کرتے ہیں، اور جو شخص بھی کسی راستے پر چلا، جس میں وہ علم کو تلاش کررہا ہے، تو اللہ عزوجل اس کے لئے اس کے ذریعہ سے جنت کی طرف راستے کو سہل بنادیتے ہیں (ترجمہ ختم)

اس روایت کے رجال ثقہ ہیں۔

اور ابوعمر یوسف بن عبداللہ نمری قرطبی المعروف بابنِ عبدالبر (المتوفیٰ ۴۶۳ھ) نے احمد بن قاسم بن عبدالرحمٰن سے، اورانہوں نے قاسم بن اصبغ سے، اورانہوں نے حارث بن ابی اسامہ سے، اورانہوں نے معاویہ بن عمرو سے، اورانہوں نے زائدہ بن قدامہ سے، اورانہوں نے حضرت سلیمان اعمش سے، اور انہوں نے ذکوان ابوصالح سے، اورانہوں نے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ:

ما من قوم يجتمعون فى بيت من بيوت الله يتعلمون القرآن ويتدارسونه بينهم إلا حفتهم الملائكة وغشيتهم الرحمة وتنزلت عليهم السكينة وذكرهم الله فيمن عنده ، وما من رجل سلك طريقا يلتمس فيه علما إلا سهل الله له طريقا إلى الجنة(جامع بيان العلم وفضله لابى عمر القرطبى ، حديث نمبر ۳۰، ج ۱ ص ۳۳،أبواب فضل العلم وأهله)

ترجمہ: جوقوم بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوکر کتابُ اللہ کی تعلیم حاصل کرتی ہے، اور باہم اس کی تدریس کرتی ہے، توان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے، اوران پر سکینہ نازل ہوتا ہے، اوران کا ذکر اللہ تعالیٰ اپنے پاس کی مخلوق (یعنی فرشتوں) میں کرتے ہیں، اور جو آدمی بھی کسی راستے پر چلتا ہے، جس میں وہ علم کو تلاش کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی طرف راستے کو سہل فرمادیتے ہیں (ترجمہ ختم)

اس روایت کے رجال بھی ثقہ ہیں۔

ان روایات میں تلاوت وقرأت کے بجائے، تعلم اور تدارس کے الفاظ ہیں۔

اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ ابومعاویہ ضریر سے، اورانہوں نے اعمش سے، اورانہوں نے ابوصالح سے، اورانہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان

الفاظ میں روایت کیا ہے کہ:

"وَمَنْ سَلَکَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ الْعِلْمَ سَهَّلَ اللهُ لَهُ إِلَى الْجَنَّةِ طَرِيقًا "وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللهِ يَتَعَاطَوْنَ كِتَابَ اللهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ (شعب الإيمان، حديث نمبر ۱۵۷۲)

ترجمہ: اور جو شخص کسی راستے پر چلا، جس میں وہ علم کو تلاش کر رہا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی طرف راستے کو سہل بنا دیتے ہیں، اور جو قوم بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتابُ اللہ کو ایک دوسرے سے حاصل کرتی (سیکھتی) ہے، اور باہم درس و تدریس کرتی ہے، تو ان لوگوں پر سکینہ نازل ہوتا ہے، اور ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، اور ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے، اور ان کا ذکر اللہ تعالیٰ اپنے پاس کی مخلوق (یعنی فرشتوں) میں کرتے ہیں (ترجمہ ختم)

یہ روایت بھی پہلی روایتوں کے مطابق ہے۔

اور خواہ تعلُّم کے الفاظ ہوں، یا تعاطی کے یا تدارس کے، ان سب سے مراد ایک دوسرے سے قرآن مجید کے الفاظ اور معانی کو سیکھنا اور سکھانا اور اس سے تذکیر و تذکر اور وعظ ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ جن روایات میں نفسِ تلاوت یا قرأت کے الفاظ ہیں، ان سے مراد اسی طرح کی تلاوت و قرأت ہے، لان الاحادیث یفسر بعضها بعضا، وزيادة الثقات مقبولة۔ [1]

چنانچہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ اسی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

لاریب جمع ہو کر قرآن آہستہ پڑھنا درست، مگر وہ جمع ہونا مباح ہونا چاہئے، سو حدیثِ مسلم میں مذاکرۂ قرآن کے واسطے اجتماع تھا، جو کہ مستحب ہے، بلکہ بعض واجب؛ کہ تذکیر و تذکر و وعظ ہی ذکر ہوا ہے، اس پر اجتماعِ مکروہ کو قیاس نہیں کر سکتے، یہ کوتاہی فہم کی ہے (براہینِ قاطعہ صفحہ ۱۱۱، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

---

[1] التلاوة تأتي بمعنى الإتباع وهي تقع بالجسم تارة وتارة بالاقتداء في الحكم وتارة بالقراء ة وتدبر المعنى قال الراغب التلاوة في عرف الشرع تختص باتباع كتب الله المنزلة تارة بالقراء ة وتارة بامتثال ما فيها من أمر ونهي وهي أعم من القراء ة فكل قراء ة تلاوة من غير عكس (عمدة القاري، كتاب تفسير القرآن، باب قول الله تعالى كل الطعام كان حلا لبني إسراء يل إلا ما حرم إسراء يل على نفسه من قبل أن تنزل التوراة قل فأتوا بالتوراة فاتلوها إن كنتم صادقين)

معلوم ہوا کہ اس حدیث میں ذکر سے مراد وعظ وتذکیر ہے، نہ کہ مروجہ ذکر پر تداعی کے ساتھ اجتماع، اور یہ بات خود احادیث کے الفاظ سے واضح ہے۔ ؎

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اور فقہائے کرام بالخصوص فقہائے احناف نے بھی تعلیم وتعلم کے بغیر قرآن مجید کی نفسِ تلاوت، بالخصوص مخصوص سورتوں وآیتوں کی تلاوت پر اجتماع کو مکروہ وبدعت قرار دیا ہے، اور ذکر کے لئے جمع ہو کر ایک ذکر پر التزام کرنا اسی کے مشابہ ہے۔

جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ (جاری ہے............)

؎ قوله (يتدارسونه)قيل شامل لجميع ما يتعلق بالقرآن من التعلم والتعليم والتفسير والاستكشاف عن دقائق معانيه(حاشية السندى على ابنِ ماجة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم ، تحت حديث رقم ٢١٦)

(تدارس) الكتاب و نحوه درسه و تعهده بالقراءة و لحفظ لئلا ينساه و الطلبة الكتاب درسه كل منهم على الآخر(المعجم الوسيط ، باب الدال)

(درس) (س) فيه (تَدارَسُوا القرآنَ) أى اقْرَأُوه وتَعَهَّدُوه لئلا تَنْسَوه .يقال :دَرَس يَدْرُسُ دَرْساً ودِراسةً .وأصلُ الدراسة الرياضةُ والتَّعَهُّد للشيء (النهاية فى غريب الاثر ، باب الدال مع الدال)

(ويتدارسونه بينهم) : والتدارس قراءة بعضهم على بعض تصحيحا لألفاظه أو كشفا لمعانيه كذا قاله ابن الملك .ويمكن أن يكون المراد بالتدارس المدارسة المتعارفة بأن يقرأ بعضهم عشرا مثلا وبعضهم عشرا آخر، وهكذا فيكون أخص من التلاوة أو مقابلا لها، والأظهر أنه شامل لجميع ما يناط بالقرآن من التعليم والتعلم(مرقاة ج ا ص٢٨٧، كتاب العلم)

(والتعاطى التناول) يقال هو يتعاطى كذ أى يتناوله (و) قيل هو (تناول ما لا يحق و) قيل هو (التنازع فى الاخذ) يقال تعاطو الشء إذا تناوله بعض من بعض وتناز عوه (تاج العروس،فصل العين)

بسلسلہ : تاریخی معلومات ⌛ مولانا طارق محمود

ماہِ ربیع الاول: پانچویں نصف صدی کے اجمالی حالات وواقعات

□......**ماہِ ربیع الاول ۴۰۲ھ**: میں حضرت ابوالحسین محمد بن عبداللہ بن حسن بصری ابن اللبان رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۲۱۸)

□......**ماہِ ربیع الاول ۴۰۳ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ حسین بن حسن بن محمد بن حلیم بخاری شافعی حلیمی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۸۲، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۰۳۰)

□......**ماہِ ربیع الاول ۴۰۶ھ**: میں حضرت ابوطاہر احمد بن عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن ایوب بن ازداذ بن سراج بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۵ ص ۵۰)

□......**ماہِ ربیع الاول ۴۰۷ھ**: میں ابوغالب محمد بن علی بن خلف بن صیر فی فخر الملک کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۲۸۲)

□......**ماہِ ربیع الاول ۴۱۱ھ**: میں حضرت ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن خالد بن مسافر ہمزانی مغربی وہرانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۳۳۳)

□......**ماہِ ربیع الاول ۴۱۲ھ**: میں حضرت ابوالعلاء محمد بن حسن بن محمد وراق رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۲ ص ۲۱۳)

□......**ماہِ ربیع الاول ۴۱۳ھ**: میں حضرت ابوالقاسم عبدالعزیز بن جعفر بن محمد بن اسحاق بن محمد بن خواستی فارسی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۳۵۲)

□......**ماہِ ربیع الاول ۴۱۴ھ**: میں حضرت ابوالفرج محمد بن احمد بن حسن بن یحییٰ بن عبدالجبار شافعی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تاریخِ بغداد ج ۱ ص ۳۰۵)

□......**ماہِ ربیع الاول ۴۱۵ھ**: میں حضرت ابوبکر محمد بن ادریس بن محمد بن ادریس بن سلیمان جرجرائی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۳۸۳)

□......**ماہِ ربیع الاول ۴۱۶ھ**: میں حضرت ابوالحسن خصیب بن عبداللہ بن محمد بن حسین بن خصیب مصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۳۴۹)

□...... ماہِ ربیع الاول ۴۱۹ھ: میں حضرت ابوالحسن محمد بن محمد بن ابراہیم بن مخلد بزار رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تاریخِ بغداد ج۳ص ۲۵۱)

□...... ماہِ ربیع الاول ۴۲۰ھ: میں حضرت ابونصر محمد بن احمد بن حسین بن عبدالعزیز عکبری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تاریخِ بغداد ج ۱ ص ۳۰۶)

□...... ماہِ ربیع الاول ۴۲۱ھ: میں حضرت ابوعبداللہ حسین بن ابراہیم بن محمد اصبہانی جمال رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۳۷۷)

□...... ماہِ ربیع الاول ۴۲۲ھ: میں حضرت ابوعبداللہ حسین بن محمد بن احمد بن عبداللہ بن حارث تمیمی مؤدب رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تاریخِ بغداد ج۸ ص ۱۰۵)

□...... ماہِ ربیع الاول ۴۲۵ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن علی بن ابراہیم بن مصعب بن عبیداللہ بن مصعب بن اسحاق بن طلحہ بن عبیداللہ تیمی اصبہانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۴۵۰)

□...... ماہِ ربیع الاول ۴۲۷ھ: میں حضرت ابوعمرو محمد بن عبداللہ بن احمد رزجاہی بسطامی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۵۰۴)

□...... ماہِ ربیع الاول ۴۲۸ھ: میں حضرت شیخ الاسلام ابوالحسن علی بن محمد بن ابراہیم بن حسین دمشقی حنائی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۵۲۶)

□...... ماہِ ربیع الاول ۴۳۰ھ: میں حضرت ابوالحسن محمد بن حسین بن علی بن حمدون یعقوبی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج۲ ص ۲۴۸)

□...... ماہِ ربیع الاول ۴۳۲ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن عمر بن بکیر بن ورد بغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۴۷۳)

□...... ماہِ ربیع الاول ۴۳۴ھ: میں حضرت ابوحامد احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن دلویہ دلوبی استوائی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تاریخِ بغداد ج۵ ص ۱۴۲، سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۵۸۲)

□...... ماہِ ربیع الاول ۴۳۵ھ: میں حضرت ابوالحسن علی بن احمد بن محمد بن علی صیرفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۳۳۲)

□...... ماہِ ربیع الاول ۴۳۶ھ: میں حضرت ابوالقاسم علی بن حسین بن موسیٰ بن محمد بن ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۴۰۱)

Idara Ghufran

□......**ماہِ ربیع الاول ۴۳۹ھ:** میں حضرت ابوالقاسم عبدالملک بن عبدالقاہر بن اسد بن مسلم رحمہ اللہ کی وفات ہوئی(تاریخِ بغداد ج۱۰ ص۴۳۲)

□......**ماہِ ربیع الاول ۴۴۰ھ:** میں حضرت ابوالفتح عبیداللہ بن ابی حفص عمر بن احمد بن عثمان بن شاہین بغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۱۰۲)

□......**ماہِ ربیع الاول ۴۴۱ھ:** میں ابومنصور بن جلال الدولہ ابوطاہر بن بہاءالدولہ بن عضدالدولہ کا انتقال ہوا(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۶۳۲)

□......**ماہِ ربیع الاول ۴۴۲ھ:** میں حضرت ابوبکر محمد بن طلحہ بن حسن دقاق رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ (تاریخِ بغداد ج۲ ص۴۶۰)

□......**ماہِ ربیع الاول ۴۴۳ھ:** میں حضرت ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن ابی بکر محمد بن ابی علی احمد بن عبدالرحمٰن ہمدانی ذکوانی معدل رحمہ اللہ کا انتقال ہوا(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۶۰۹)

□......**ماہِ ربیع الاول ۴۴۴ھ:** میں حضرت ابوجعفر محمد بن احمد بن احمد بن محمد بن محمود سمنانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا(تاریخِ بغداد ج۱ ص۳۷۳)

□......**ماہِ ربیع الاول ۴۴۵ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن علی بن حسن بن عبدالرحمٰن علوی کوفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۶۳۷)

□......**ماہِ ربیع الاول ۴۴۸ھ:** میں حضرت ابومنصور عبدالباقی بن محمد بن محمد بن حسن بن فضل بن مامون ہاشمی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا(تاریخِ بغداد ج۱۱ ص۹۱)

□......**ماہِ ربیع الاول ۴۴۹ھ:** میں ابوالعلاء احمد بن عبداللہ بن سلیمان بن محمد بن سلیمان بن احمد بن سلیمان بن داؤد بن مطہر بن ربیعہ قحطانی تنوخی کا انتقال ہوا(سیر اعلام النبلاء ج۱۸ ص۳۹)

□......**ماہِ ربیع الاول ۴۵۰ھ:** میں حضرت ابوالطیب طاہر بن عبداللہ بن طاہر بن عمر طبری شافعی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۶۷۱،تاریخِ بغداد ج۹ ص۳۶۵)

□......**ماہِ ربیع الاول ۴۵۰ھ:** میں حضرت ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب بصری ماوردی شافعی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا(سیر اعلام النبلاء ج۱۸ ص۶۴،تاریخِ بغداد ج۱۲ ص۱۰۲)

□......**ماہِ ربیع الاول ۴۵۰ھ:** میں حضرت ابوطاہر محمد بن ہمام بن صقر بن یحیٰی بن سری بن ثروان بزاز موصلی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی(تاریخِ بغداد ج۴ ص۱۳۶)

Idara Ghufran

بسلسلہ: آدابُ المعاشرت

مفتی محمد رضوان

صلہ رحمی کے لئے رشتہ داروں کی معرفت حاصل کرنے کا حکم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :اعْـرِفُوا أَنْسَابَكُمْ تَصِلُوا أَرْحَامَكُمْ فَـإِنَّـهُ لَا قُـرْبَ لِرَحِمٍ إِذَا قُطِعَتْ وَإِنْ كَانَتْ قَرِيبَةً وَلَا بُعْدَ لَهَا إِذَا وُصِلَتْ وَإِنْ كَانَتْ بَعِيْدَةً "(مستدرک حاکم حدیث نمبر ۷۳۹۲،واللفظ لهٗ،مسند الطیالسی، حدیث نمبر ۲۸۸۰) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے رشتہ داروں کی پہچان حاصل کرو، تاکہ تم اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرسکو، کیونکہ رشتہ داری کو کوئی قرب (نزدیکی) حاصل نہیں، جبکہ اسے قطع کردیا جائے، اگرچہ وہ قریبی رشتہ داری ہی ہو، اور رشتہ داری کو کوئی بُعد حاصل نہیں، جب صلہ رحمی کی جائے، اگرچہ وہ دور کی رشتہ داری ہی ہو (ترجمہ ختم)

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے الادبُ المفرد میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اس طرح روایت کیا ہے کہ:

احْـفَـظُـوْا أَنْسَابَكُمْ تَصِلُوْا أَرحَامَكُم فَإِنَّهُ لَا بُعْدَ بِالرَّحِمِ إِذَا قَرُبَتْ وَإِنْ كَانَتْ بَـعِيْـدَـةً وَلَا قُرْبَ بِهَا إِذَا بُعِدَت وَإِنْ كَانَتْ قَرِيْبَةً، وكُلُّ رَحِمٍ أٰتِيَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمَـامَ صَـاحِبِهَـا تَشْهَـدُ لَـهُ بِصِـلَةٍ، إِنْ كَـانَ وَصَـلَهَا، وَعَلَيْـهِ بِقَطِيْعَةٍ إِنْ كَانَ قَطَعَهَا(الادب المفرد للبخاری، حدیث نمبر ۷۳،بَابُ تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أرحامکم) [۲]

ترجمہ: تم اپنے رشتہ داروں کی پہچان حاصل کرو، تاکہ تم اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرسکو، کیونکہ رشتہ داری کو کوئی بُعد (دوری) حاصل نہیں، جبکہ (صلہ رحمی کرکے) اسے قریب کرلیا جائے، اگرچہ وہ دور کی رشتہ داری ہی ہو، اور رشتہ داری کو کوئی قرب (نزدیکی) حاصل

---

[۱] قال الحاکم:هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ "
وقال الذهبی فی التلخيص :علی شرط البخاری ومسلم.

[۲] حسن الإسناد، وصح مرفوعا(حاشية الادب المفرد للالبانی)

نہیں، جبکہ (قطع رحمی کر کے) اسے دور کر دیا جائے، اگرچہ وہ قریب کی رشتہ داری ہی ہو، اور ہر رشتہ داری قیامت کے دن اس کے رشتہ دار کے سامنے آئے گی، اور اگر اس نے صلہ رحمی کی ہوگی، تو اس کے حق میں صلہ رحمی کی گواہی دے گی، اور اگر قطع رحمی کی ہوگی، تو اس کے خلاف قطع رحمی کی گواہی دے گی (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ قریبی رشتہ دار کے ساتھ رشتہ داری کو قطع کرنے اور توڑ دینے سے وہ رشتہ داری دُور کی اور اجنبی بن جاتی ہے، اور دُور کے رشتہ دار کے ساتھ صلہ رحمی اور نیک سلوک کرنے سے وہ رشتہ داری قریب کی اور پہچان والی بن جاتی ہے۔

پس رشتہ داروں کا علم اور پہچان حاصل کرنا ضروری ہوا، کیونکہ صلہ رحمی کے حکم پر عمل اور قطع رحمی کے گناہ سے بچنے کا دار و مدار اسی پہچان حاصل کرنے پر موقوف ہے (کذا فی فیض القدیر للمناوی)

اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منبر پر یہ سنا کہ:

تَعَلَّمُوْا أَنْسَابَكُم ثُمَّ صِلُوْا أَرْحَامَكُمْ وَاللّٰهِ إِنَّهُ لَيَكُوْنُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ أَخِيْهِ الشَّيْءُ وَلَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْ بَيْنَهُ وبينهُ مِنْ دَاخِلَةِ الرَّحِمِ لَأَوزَعَهُ ذٰلِكَ عَنْ اِنْتِهَاكِهِ (الادب المفرد للبخاری، حدیث نمبر ۷۲،بَابُ تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُوْنَ بِهِ أرحامكم)[1]

ترجمہ: تم اپنے خاندان (اور رشتہ داروں) کا علم حاصل کرو، پھر اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرو، اللہ کی قسم کہ آدمی اور اس کے (رشتہ دار) بھائی کے درمیان (بظاہر) کچھ (رشتہ داری کا تعلق) ہوتا ہے، اور اگر وہ اس چیز کو جان لے، جو اس کے اور اس کے (رشتہ دار) بھائی کے درمیان رحم کے اندر سے تعلق (رکھتی) ہے، تو وہ اس کو قطع رحمی کرنے سے ضرور روک دے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ رشتہ داروں کی پہچان اور ان کے ساتھ رشتہ داری کا علم حاصل کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر صلہ رحمی کرنا مشکل ہوتا ہے، بعض اوقات انسان اس لیے غفلت اختیار کرتا ہے کہ اُسے یہ معلوم ہی نہیں ہوتا، کہ فلاں سے اس کی رشتہ داری کا تعلق ہے، اور اگر اس کو یہ معلوم ہو جائے تو وہ صلہ رحمی کر کے نہ صرف یہ کہ عظیم گناہ سے بچ سکتا ہے، بلکہ عظیم الشان ثواب بھی حاصل کر سکتا ہے۔

حضرت اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّيْ وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِيْ عَهْدِ قُرَيْشٍ، إِذْ عَاهَدُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

[1] حسن الإسناد، وصح مرفوعا (حاشية الادب المفرد للالبانی)

اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمُدَّتِھِمْ مَعَ أَبِیْھَا، فَاسْتَفْتَتْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ :یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ إِنَّ أُمِّیْ قَدِمَتْ عَلَیَّ وَھِیَ رَاغِبَۃٌ أَفَأَصِلُھَا؟ قَالَ: نَعَمْ صِلِیْھَا (بخاری، حدیث نمبر ۳۱۸۳،واللفظ لہٗ،صحیح ابنِ حبان حدیث نمبر ۴۵۲، مسند احمد، حدیث نمبر ۲۶۹۹۴)

ترجمہ: میری (سوتیلی) ماں (مکہ سے مدینہ منورہ میں) میرے پاس قریش سے اس عہد کے زمانے میں اپنے والد کے ساتھ آئیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے عہد کیا ہوا تھا،اوران کے عہد کی مدت چل رہی تھی ،تو حضرت اسماء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ طلب کیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری ماں آئی ہیں، اور وہ (میرے اسلام سے) کراہیت کرتی ہیں،تو کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک آپ ان کے ساتھ صلہ رحمی کریں (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی رشتہ دار مشرک بھی ہو،تب بھی اس کے ساتھ شرعی حدود میں رہتے ہوئے صلہ رحمی کا حکم ہے،اس لئے دین دار و بددین ہر قسم کے رشتہ داروں کے متعلق رشتوں کی نسبت کا علم حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے۔

علم کے مینار

مفتی محمد امجد حسین

مسلمانوں کے علمی کارناموں وکاوشوں پر مشتمل سلسلہ

سرگذشت عہدِ گُل (قسط۴۲)

(سوانح حضرت اقدس مفتی محمد رضوان صاحب دامت فیوضہم)

کام کی عمومیت سے زیادہ تمامیت کا اہتمام

آپ کے ذوق اور مزاج میں یہ اَمر خصوصی اہمیت رکھتا ہے کہ کسی بھی کام میں خصوصاً دینی خدمات کے متعلقہ میدانوں میں اُس کام کو عام کرنے، زیادہ بڑھانے، وسعت دینے اوراس کے پھیلاؤ کی کوشش کرنے کی بجائے اس کے مضبوط ومستحکم کرنے، صحیح طریقے سے سرانجام دینے، اتمام اور تکمیل تک پہنچانے کا زیادہ اہتمام کیا جائے، اور بالفاظِ مختصر کام کو عام کرنے کی بجائے اس کو تام کیا جائے۔

کام حسبِ استطاعت وتکلیفِ شرعی تھوڑا ہو، لیکن ڈھنگ اور سلیقہ سے ہو، متعلقہ شرعی اصولوں کی رعایت کے ساتھ ہو، جتنا اپنے بس میں اور قدرت میں ہو، اور کماحقہٗ ہوسکے، اتنا ہی کام کیا جائے، زوائد سے اجتناب ہو، ہر جگہ ٹانگ اڑانے، متعلقہ اہلیت یا کوائف وشرائط پورے نہ ہونے کے باوجود کوئی ذمہ داری اپنے سر لینے سے اجتناب فرماتے ہیں۔

غرضیکہ کوئی بھی ذمہ داری اور خدمت سر لینے اور نبھانے میں کمیت سے زیادہ کیفیت کوملحوظ رکھتے ہیں، مقدار سے زیادہ معیار پر نظر رکھتے ہیں، اور اس معاملے میں شرعی نصوص، سلف کے تعامل اور قریبی اکابرین بزرگانِ دین کے طرز وطریقہ سے استناد واستشہاد کرتے ہیں، سبھی اکابر خصوصاً فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے بکثرت واقعات، حکایات، ملفوظات اور تعلیمات اس باب میں موجود ومحفوظ ہیں، ان کو مشعلِ راہ بناتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اپنی مستقل دینی خدمات کا دائرہ تاحال (خصوصاً تعلیمی واصلاحی سلسلے میں) اپنی مسجد اور اپنے ادارے تک رکھتے ہیں کہ اس دائرے میں سب کام براہِ راست آپ کی نگرانی اور انتظام میں ہوسکتے ہیں، ورنہ کتنے ہی حضرات ہیں، جو اپنی مختلف دینی خدمات اوراپنے زیرِ انتظام اداروں کو آپ کی سرپرستی میں لانا چاہتے ہیں، لیکن آپ فرماتے ہیں کہ دینی خیر خواہی کی بنیاد پر مشورہ دینے سے تو دریغ نہیں، لیکن

سرپرستی یا بڑا بننے کے تقاضے کچھ اور ہیں، وہاں دیانۃً روک ٹوک کرنے، سب فیصلوں اور کاموں پر نظر رکھنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جس کی نہ ہمیں فرصت ہے، اور نہ عام طور پر متعلقہ فریق اس کو پسند کرتے ہیں، اس لیے محض ہاتھی کے دانت دکھانے کی حد تک اتنے سارے سلسلے اپنے کھاتے میں ڈال دینے اور پھر متعلقہ ذمہ داریاں نباہ نہ سکنے (خواہ کسی بھی وجہ سے ہو) سے معذرت فرما دیتے ہیں۔

اسی طرح ادارے کے اندر کام کو مزید پھیلانے یا ادارے کے علاوہ کہیں اور کام شروع کرنے کے بارے میں بھی اسی ذوق اور اُصول کو ملحوظ رکھتے ہیں کہ جو کام اور جتنا کام کماحقہٗ نبھایا نہ جاسکے، اس میں ٹانگ نہ پھنسائی جائے۔

کاموں کا پھیلاؤ خواہ ادارہ کے اندر ہو، یا ادارہ سے ہٹ کر ہو، تدریج کے ساتھ ہو، اور اپنی استطاعت اور قدرت کی حد تک ہو، قدرت واستطاعت سے باہر ہونے اور صحیح معنوں میں نباہ نہ سکنے کی صورت میں مزید کام کا پھیلاؤ پسند نہیں فرماتے، خواہ کوئی پیش کش بھی کرے، اور اس کے مواقع بھی میسر آجائیں، کیونکہ ان کاموں میں شرعی مسؤلیت اور خود احتسابی سب سے پہلی چیز ہے، جب تک کوئی کام اپنے سر نہ لیا جائے، اس وقت تک اس کی مسؤلیت بھی لازم نہیں ہوتی، اور نہ انسان عنداللہ ماخوذ ہے، لیکن جب کوئی کام اپنے سر لے لیا، اور پھر اس کو نبھاہ نہ سکے، اور شرعی ذمہ داریاں اور مسؤلیت پوری نہ کرسکے، جس کی وجہ سے اس کام کے متعلقہ شرعی مقاصد حاصل نہ ہوں، اور احکامِ شرع کی خلاف ورزی ہو، تو عنداللہ مجرم شمار ہوتا ہے، اس لیے محض شوقیہ اور رسمی طور پر کاموں کو پھیلاتے چلے جانا خواہ صحیح ہو، یا غلط ہو، اور خواہ فائدہ کی بجائے شرعاً نقصان اور فتنوں کا باعث بن رہا ہو، یہ بڑا غلط طریقہ ہے، اور خطرناک رجحان ہے، اس کے نتیجہ میں صحیح وغلط اور حق وباطل خلط ملط ہوتے چلے جاتے ہیں، اور مختلف مفاسد اور فتنوں کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں اصلاحُ العلماء والمدارس نامی سلسلہ وار مضمون میں (جو ماہنامہ التبلیغ میں کئی سال تک سلسلہ وار شائع ہوتا رہا) آپ نے اکابر کے ملفوظات وارشادات کی روشنی میں دینی خدمات کے مختلف شعبوں کے متعلق اس اصول کو خواب واضح اور منقح کیا ہے کہ کام کے عام کرنے کی بجائے تام کرنے کا اہتمام کیا جائے، اور اپنی قدرت واستطاعت کی حد تک دینی ذمہ داریاں ہی اپنے سر لی جائیں، اور اس باب میں شرعی مسؤلیت کا احساس قدم قدم پر ملحوظ رکھا جائے۔

حفظانِ صحت کی رعایت اور طب سے دلچسپی

باوجودیکہ آپ معروف معنوں میں طبیب اور حکیم نہیں، لیکن طب سے شغف ومناسبت اور حفظانِ صحت

کے سلسلے میں بنیادی وضروری طبی اُصولوں سے واقفیت اوران کی رعایت آپ کے ہاں غیر معمولی درجہ میں پائی جاتی ہے، طب وحکمت میں دلچسپی ومناسبت کے ساتھ ساتھ آدمیوں کے مزاج کے اعتبار سے نفسیات سمجھنے میں بھی آپ کوکافی مہارت ہے۔ [۱]

نفسیاتی مہارت کی وجہ سے کئی دفعہ آپ چندظاہری علامات دیکھ کریاسُن کرکسی جسمانی مرض کے اصلی سبب اور بنیادکی بہت عمدہ تشخیص فرمالیتے ہیں، اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہے کہ طبِ یونانی میں انسانی مزاج اور اخلاط کی اقسام اوران کے خواص وکیفیات بہت منضبط اُصولوں کی صورت میں منقح شدہ اور متعین ہیں، اور ان بنیادی طبی اُصولوں سے آپ گہری واقفیت رکھتے ہیں، حفظانِ صحت کے سلسلے میں آپ ورزش، کھانے پینے میں احتیاط واعتدال اورطبی اعتبار سے اپنے مزاج کی شناخت کر کے حالتِ صحت ومرض دونوں میں حسبِ مزاج غذاودواء کے استعمال کالحاظ رکھتے ہیں، اوراپنے احباب کی بھی اس سلسلہ میں رہنمائی کرتے اورحفظانِ صحت کے لیےان اُمورکی رعایت کی طرف توجہ دِلاتے ہیں۔

مفردات (دوائیوں کے مفرداجزاء) اورپھلوں، سبزیوں وغیرہ کے خواص جاننے میں آپ کو دلچسپی ہے، غذائی اشیاء میں سے کسی چیز کے خواص مستحضر نہ ہوں، تو (اس چیز کے استعمال کی نوبت آنے پر) متعلقہ طبی لٹریچر کی طرف مراجعت کر کے اس کے خواص معلوم کرتے ہیں، اپنے مربی حضرت مسیح الامت جلال آبادی علیہ الرحمہ کا بھی یہ معمول ذکرفرماتے ہیں کہ حضرت جلال آبادی کھانے پینے کی اشیاء میں اپنے مزاج کی موافقت کوملحوظ رکھتے تھے، کوئی خاص چیز کھانے کی سامنے آتی اوراس کے خواص مستحضر نہ ہوتے تو کتاب المفردات منگواتے، اس میں اس کے خواص ملاحظہ فرماتے، اورگرم کے ساتھ سرداورخشک کے ساتھ تر خاصیت والی چیز ملاکران کو معتدل بناتے (اورحضرت جلال آبادی رحمہ اللہ کے اسی معمول کو ملاحظہ کرنے ہی سے آپ کوطب سے خاص لگاؤ پیدا ہوا، جس کا آپ ذکرفرماتے ہیں)

حفظانِ صحت کے لیے غذائی اشیاء میں اعتدال پیدا کرنے اوراپنے مزاج کی رعایت وموافقت ملحوظ رکھنے کا یہ اُصول طبِ نبوی کا حصہ ہے، اس لیےان کوملحوظ رکھتے ہیں، اپنی صحت کی حفاظت اورامراض سے بچاؤ ہونے

﴿بقیہ صفحہ ۵۸ پرملاحظہ فرمائیں﴾

---

[۱] اس کی ایک مثال آپ کی تصنیفِ لطیف ''وساوس اوراُن کاعلاج'' ہے۔
جس میں نفسیاتی اوروساوس کے مریضوں کی علاماتِ مرض، اسباب اورعلاج کے حوالے سے آپ نے شرعی اُصولوں کی روشنی میں ماہرانہ گفتگو کی ہے۔

تذکرۂ اولیاء

مفتی محمد امجد حسین

اولیاءکرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

تذکرہ مولانا رومی کا (قسط۸)

مولانا کی علمی اٹھان اور فکری نشو ونما اسی فلسفیانہ اور کلامی ماحول میں ہوئی تھی، اشعری علموں حلقوں میں پلے بڑھے تھے، اشعریت آپ کی گھٹی میں پڑی تھی، خود ایک کامیاب وتبحر متکلم اور ماہر اشعری عالم تھے، منطق وفلسفہ اور علمِ کلام کے اصول وفروع پر حاوی اور رگ رگ سے واقف تھے، اس لئے معرفت وحقیقت کے مقام پر فائز ہونے کے بعد مثنوی میں آپ ان عقلی ویونانی علوم، اور کلامی طول لاطائل مباحث اور لن ترانیوں پر نقد ونظر اور عمل جراحی (پوسٹ مارٹم) کرتے ہیں، تو یہ کوئی ''دیوانے کی بڑ'' نہیں ہوتی، بلکہ اپنے ذاتی تجربے ومشاہدے کی روشنی میں سب کچھ کہہ رہے ہوتے ہیں، کیونکہ خود اس صحرا کی دشت نوردی میں ایک عمر گزار چکے ہیں، اور اس آگ میں جل چکے ہیں، بقول اقبال ع

کہ اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل

یہ ایسے باخبر شخص کا کیا ہوا تجزیہ وتبصرہ ہوتا ہے جس پر فلسفہ کی کمزوریاں اور عقل واستدلال اور قیاس کے راستے کی غلطیاں اور گمراہیاں کھل چکی ہیں، فلاسفہ اور غالی متکلمین اور مناطقہ واہلِ استدلال کے بودے اصولوں کی بے ڈھنگی، بے وقعتی اور ناپائیداری خبر سے گزر کر صاحبِ نظر ہونے، قال سے گزر کر صاحبِ حال ہونے اور مقامِ حقیقت تک رسائی پانے کی وجہ سے اس پر اچھی طرح واضح ہو چکی ہے، اور وہ پورے یقین کے ساتھ ''برہانِ قاطع'' اور ''سلطانِ مبین'' کی روشنی میں معقولیوں کے بُنے ہوئے جالوں کے تانے بانے کھولتا اور تار پود بکھیرتا نظر آتا ہے ''وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت''

شرعی، الٰہی حقائق تک رسائی محض عقلی اصولوں کے ذریعے ممکن نہیں

عالمِ اسلام کے بیشتر علمی حلقوں کا منطق وفلسفہ میں غیر معمولی اشتغال اور علمِ کلام کو منطق وفلسفہ کے قائم کردہ عقولی اصولوں پر استوار کرنے کا یہ منفی نتیجہ نکل رہا تھا کہ مقدماتِ عقلیہ کے ذریعہ منطقی طریقہ پر کسی نتیجہ کو ثابت کر دینے اور فلاسفہ یونان نے جن اصولوں اور نتائج کو قطعی اور بدیہی بتایا ہے، ان کا نام لے لینے کے بعد یونانیوں کے حلقہ بگوش ان پرستارانِ عقل کی زبانیں گنگ اور دماغ ماؤف ہو جاتے تھے، گویا

کہ شریعتِ محمدی کے اصول واحکام کو پرکھنے کا پیمانہ ان معقولیین نے یونانی مشرکوں اور ملحدوں کے قائم کردہ اصولوں کو بنایا تھا، سوچنے کی بات یہ ہے کہ الٰہیات کے مباحث اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی ذات وصفات کی آ گہی میں یہ عقلی اصول کافی ہوتے اور عقل کی رہنمائی کفایت کرتی تو اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو کیوں مبعوث فرماتے، اور انبیاء کی شریعتوں سے محروم ومنکر یونانی فلاسفہ، افلاطون وارسطو وغیرہ اپنی عقلی ہمہ دانی کے باوجود گمراہ نہ ہوتے، یہ یونانی فلاسفہ اپنی ذہانتوں اور اپنے ترتیب دیئے ہوئے فلسفیانہ اصولوں کے باوجود ایک خدا کی، زمین وآسمان کے خالق کی معرفت تک نہ پہنچ سکے، کوئی دہری ومادہ پرست تھا، مادہ وھیولیٰ کے گورکھ دھندوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا، اور اس کو ازلی وابدی ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا، تو کوئی عقولِ عشرہ کا پرستار اور اس وہمی وسفسطی شجرہ تخلیق پر سارے سلسلہ موجودات کی بنیاد رکھتا تھا، اس طرح شرک اور دہریت کو گویا کہ فلسفیانہ غلافوں میں لپیٹ کر یہ یونانی مشرک اور دہری عقل واستدلال کے نام پر یونانی علم الاصنام اور مجموعہ خرافات کو انسانوں میں پھیلا رہے تھے، ستم بالائے ستم تو یہ ہوا کہ یہ یونان جب مسیحی روم کا حصہ بنا، تو مسیحی رومی سلطنت نے ان یونانی فلسفوں کو خرافات کا پلندہ قرار دیئے رکھا، اور ان علوم کے غلغلے یونانی اور رومی معاشروں میں عام نہ ہوسکے، بلکہ مخصوص علمی وفکری حلقوں تک ہی محدود رہے، لیکن اسلامی روشن خیالوں، معتزلہ ومسلم فلاسفہ یعقوب کندی، بوعلی سینا، فارابی، ابنِ رشد، اخوان الصفا اور ان کے ہمنواؤں نے (یہاں تک کہ متاخرین متکلمین نے بھی ایک حد تک) یونانی فلاسفہ افلاطون وارسطو وغیرہ کو درجہ تقدس تک پہنچا دیا، اور مقامِ عصمت پر ان کو فائز کردیا تھا (گو اعتقاداً نہ سہی لیکن عملاً یونانی وعجمی معقولات میں ان کے توغل سے یہی نتیجہ نکلتا ہے) اور ریاضیات وطبیعات کی طرح ان کی الٰہیاتی ومابعدالطبیعاتی خرافات وتخیلات اور وہمی گپاوٹوں (عقول عشرہ، افلاک، مادہ وھیولیٰ وغیرہ کے باب میں) کو انبیاء کی شریعتوں کا سا درجہ دے رکھا تھا، حالانکہ ان چیزوں کو تسلیم کرکے اسلام کے نظریہ توحید اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور حشر ومعاد کے متعلق منصوص احکام پر صحیح معنوں میں ایمان باقی نہیں رہ سکتا۔

یونان کا جو کچھ علمی ذخیرہ دوسری صدی ہجری میں عالمِ اسلام میں منتقل ہوا، اور تراجم ہو ہو کر اسلامی دنیا میں پھیلا، اس میں کچھ تو منطق، طبعیات (فزکس) عنصریات، ریاضیات کے علوم پر مشتمل لٹریچر تھا، ان فنون کے لینے اور ان سے استفادہ کرنے میں تو کوئی حرج نہ تھا، ایک حد تک یہ مفید تھے، کیونکہ ان کا غیبی امور سے واسطہ نہیں، کائناتی اشیاء اور امورِ عامہ کے متعلق طویل انسانی تجربات اور فکر کا یہ نتیجہ ونچوڑ تھا۔

لیکن ان کا جو لٹریچر الٰہیات اور مابعد الطبیعات پر مشتمل تھا، الٰہیات اور مابعد الطبیعیات پر مشتمل یہ سارا ذخیرہ وحی الٰہی سے متصادم تہہ بہ تہہ گمراہیوں پر مشتمل یونانیوں کا علم الاصنام تھا، جوانہوں نے بڑی عیاری سے فلسفیانہ زبان اور علمی اصطلاحات میں ڈھال لیا تھا، یہ سارا ذخیرہ الٰہیات ومابعد الطبیعات مفروضات، وہمیات، اور طلسمات کا ایک طلسم ہوشربا تھا، جس کا نہ کوئی ثبوت تھا، اور نہ اس کا کوئی واقعی وجود، کہیں اس میں عقولِ عشرہ وافلاک کا شجرہ نسب اور تدریجی مراحل کا بیان اور فلاسفی ہے، اور کہیں ان فرضی وتخیلاتی عقول وافلاک کے افعال وحرکات کا زائچہ اور دوائر بنائے اور مرتب کئے گئے ہیں۔

الٰہیات اور مابعد الطبعیات کے مباحث اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہستی اور اس کی ذات وصفات کے مسائل، علمی عقلی موشگافیوں اور قیاس آرائیوں کا میدان نہیں، اس بارے میں انسانوں کا ذریعۂ علم صرف انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی شریعتیں اور وحی الٰہی کے ذریعے انبیاء کو موصول وحاصل ہونے والے اخبار واحکام ہیں، اسی سے اللہ تعالیٰ کی صحیح وحقیقی معرفت اور اس کی صفات وکمالات کا علم ہوسکتا ہے، اور انسان کے ساتھ اس رب کے تعلق کی نوعیت اور انسان کا مقصدِ تخلیق معلوم ہوسکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ انسان سے کیا چاہتے ہیں، کیا نہیں چاہتے؟ اس کا پتہ چل سکتا ہے، انبیاء علیہم السلام کے ذریعے وحی الٰہی کے نتیجے میں ہی الٰہیات اور مابعد الطبیعات کی تمام گھتیاں سلجھ سکتی ہیں، اس کے بغیر کسی اور راستے (مثلاً حواس، عقل واستدلال، حتی کہ غیر نبی کے کشف والہام کے ذریعہ سے بھی) اس معمے کی گرہ کشائی نہیں ہوسکتی۔ ؎

مپندار سعدی کہ راہِ صفا می تواں رفتن جز پئے مصطفیٰ

فلسفہ وعقلیات کا سارا زور (خصوصاً ارسطو کے فلسفہ کا) عقلی استدلال اور حواسِ خمسہ ظاہرہ کے ذریعے علم پانے اور حقائق کا ادراک کرنے پر تھا، انہی حواس کے ذریعے منطقی استدلال کے زور پر حاصل ہونے والے علم کو یقین کے حصول کا قابلِ اعتماد ذریعہ سمجھا جاتا تھا، یونانی فلسفوں سے یہ چیز معتزلہ نے انگیز کی، اور مسلم فلاسفہ نے اس کو پروان چڑھایا، متکلمین اشاعرہ جو اس کے توڑ کے لئے میدان میں آئے تھے (کہ انہی کے ہتھیاروں سے ان کا توڑ کریں اور ان پر وار کریں) اور ایک زمانے تک انہوں نے کامیاب مقابلہ بھی ان سب منحرف گروہوں کا کیا، اب وہ خود ضرورت سے زیادہ اس معقولی رنگ میں رنگتے چلے جارہے تھے، اور انہی کلامی مباحث میں توغل کو انہوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا، اس عقلی توغل سے احکامِ اسلامی محض ایک عقلی فلسفہ بن کے رہ جاتے ہیں، نہ کہ روح میں بالیدگی اور قلب میں ایمانی حرارت اور جذب دروں پیدا کرنے والی اسٹیم۔

پانچویں صدی ہجری میں امام غزالی رحمہ اللہ نے مسلمانوں کے مختلف منحرف گروہوں کا (فلاسفہ، باطنیہ، زنادقہ اور غالی متکلمین) جنہوں نے عقلیت پرستی اور مادیت پرستی کی یونانی کمین گاہوں میں مورچہ بند ہر کر شریعتِ محمدیہ پر الحادو زندقہ اور تشکیک وارتیاب کے تیروں کی بارش کر رکھی تھی، امام موصوف نے ان فلاسفہ و باطنیہ، ملاحدہ اور زنادقہ پر انہی کے ہتھیاروں سے تابڑ توڑ حملے کر کے ان کو پسپائی پر مجبور کر دیا تھا، لیکن اس وقت تک بڑی حد تک متکلمین اور مسلمانوں کے علمی وفکری حلقے یونانی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر فلاسفہ وزنادقہ اور دیگر غیر مسلم اقوام کے مقابلے میں علمی واستدلالی میدانوں میں اسلام کا دفاع کرتے کرتے خود بھی اس استدلالی رنگ اور منطقی اسلوب کے ایسے خوگر ہو گئے کہ اب محض مدافعت یا الزامی جواب کی حد تک نہیں، بلکہ اصلاً اسلامی فکر کو انہوں نے اسی رنگ میں رنگ لیا، شرعی وغیبی حقائق کو ان عقلی واستدلالی سانچوں میں ماپے بغیر خود ان کو بھی گویا تسکین نہ ہوتی تھی، اس حواس پرستی اور عقل پرستی نے ایمان بالغیب کو بہت ہی نقصان پہنچایا۔

چھٹی صدی ہجری تک پہنچتے پہنچتے مسلمانوں کے تعلیمی اداروں، درسی حلقوں اور فکری طبقات اور ان کے واسطے سے پھر عام معاشرے اور سوسائٹی میں بھی کافی حد تک خصوصاً سوسائٹی کے موثر ومقتدر طبقات میں (بطور فیشن یا دماغی تفریح کے) یہ عقلی واستدلالی کلامی رنگ عمومیت کے ساتھ پھیل گیا (محدثین، صوفیاء، محققین اور فقہاء کے طبقات اپنے اپنے مخصوص دائروں میں گو اس رنگ سے مجموعی طور پر محفوظ رہے، واللہ اعلم)

اس معقولی رنگ کے نقصانات عالمگیر اسلامی سوسائٹی کے لئے اور اس آفاقی امت کے لئے جو خیر الامم ہے، اور تا قیامت دین حقہ کی علمبردار، وحیِ الٰہی کی حامل اور ساری انسانیت کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئی ہے، بڑے دور رس اور گہرے تھے، جو اس وقت بھی نکلے، اور اس کے بعد بھی نکلتے ہی رہے، اور آج تک امت اس کے نتائج بھگت رہی ہے۔

اس کلامی واستدلالی رنگ سے دماغ کی تسکین کا سامان تو ایک حد تک ہو جاتا ہے (پورے طور پر نہیں، کیونکہ چرب زبانی اور استدلال کے زور پر دوسرے کو چپ تو کرا سکتے ہیں، اس کی زبان بند کر سکتے ہیں، لیکن ضروری نہیں کہ اس کا دل اس استدلال پر مطمئن ہو جائے، اس لئے واقفانِ راز نے کہا ہے کہ علمِ کلام کے طریقے سے شبہات ساکت تو ہو سکتے ہیں، لیکن ضروری نہیں کہ ساقط بھی ہوں) لیکن دل کی انگیٹھیاں بجھتی چلی جاتی ہیں، ایمانی حلاوت، یقین کی گہرائی، ان دیکھے غیبی حقائق پر ایمان ویقین، منطقی استدلال کے زور پر نہیں، بلکہ قلبی کیفیت کی بنیاد پر، رسول کی عصمت، عظمت، تقدس اور ان کے ساتھ محبت کی بنیاد پر

پیدا ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کا ایمان اس قسم کا استدلالی اور منطقی نہیں تھا، ذوقی اور وجدانی تھا، قلبی طمانینت کے ساتھ تھا (دماغی دلائل تو بعد کی چیز ہیں، وہ بھی منطقی طریقہ پر نہیں، بلکہ معروضی وفطری طریقہ پر جیسا کہ قرآن کا انداز ہے، انفسی وآفاقی نشانیوں سے توحید ورسالت اور قیامت پر استدلال کرنے کا)

اور صحابہ کا ایمان ہی سب سے مضبوط، راسخ، اور مستحکم تھا، انقلاب انگیز تھا، اسی طرح تابعین وتبع تابعین کا بھی، اور بعد کے زمانوں میں جو جو لوگ اس طریقہ پر رہے، ان کے بھی ایمانی کیفیات کا یہی حال تھا۔

مولانا روم نے مثنوی میں ایمان ویقین کے حصول اور تکمیل کے لئے، عشق ومحبت پیدا کرنے اور عشق ومحبت پر مبنی جذبات پر ایمانی زندگی استوار کرنے پر زور دیا ہے، ایمان ویقین کے راستے میں باطنی احساسات، وجدان اور روح سے کام لینے کی طرف متوجہ کیا ہے، متکلمین کے عقلی واستدلالی طریقہ، لفظی گورکھ دھندوں، اور دماغی عیاشیوں ومعرکہ آرائیوں، قیل وقال اور مناظرہ ومجادلہ کو ایمانیات وغیبیات پر طمانیت ویقین پیدا کرنے کے لئے ناکافی بلکہ مضر بتلایا ہے، اور متکلمین کی عام روِش سے ہٹ کر مولانا نے مجتہدانہ شان کا ثبوت دیتے ہوئے علمِ کلام کے متبادل خود اپنی ایک نئی راہ نکالی ہے، ایمانیات اور غیبی حقائق کے دقیق مباحث جن کو متکلمین نے جابجا چھیڑا ہے (لیکن اپنے استدلالی مباحث سے ان کی گتھیاں سلجھانے کے بجائے ان کو مزید الجھا دیا، اور پیچیدہ بنا دیا) مولانا مثنوی کے اشعار میں ان مسائل کو اس طرح بدیہی بنا کر پیش کرتے اور واضح کرتے ہیں، گویا کہ ان میں کوئی پیچیدگی ہی نہ تھی، وہ بالکل روزمرہ زندگی کے بدیہی حقائق اور عام واقعات کی طرح معلوم ہونے لگتے ہیں، جن کو پڑھنے اور سننے والے کا دل ودماغ بے تکلف قبول کرتا چلا جاتا ہے۔ ؎

ہر کس نہ شناسندۂ راز است ورنہ اینہا ہمہ راز اند کہ معلومِ عوام اند

مولانا کا اسلوب، عام مناطقہ ومتکلمین کی طرح دماغ کو شکست دینے، اور مخاطب کو لاجواب کر کے ساکت کرنے کا نہیں ہے، بلکہ ایسا اسلوب ہے کہ بات خوشی خوشی مخاطب کے دل ودماغ میں جاگزیں ودلنشین ہو جاتی ہے، اور محسوس ہی نہیں ہوتا ہے کہ باہر سے کوئی چیز ٹھونسی یا مسلط کی جا رہی ہے، یہی انداز واسلوب قرآن مجید کا اپنے دلائل آفاق وانفس کے بیان کرنے میں بھی ہے، تو گویا مولانا نے قرآنی اسلوب کو سامنے رکھ کر اپنا علمِ کلام تشکیل دیا ہے، جس کا حاصل بزبانِ شاعر یوں ہے۔ ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا میں نے یہ جانا گویا یہ بھی میرے دل میں ہے (جاری ہے......)

Idara Ghufran

Idara Ghufran

Idara Ghufran

Idara Ghufran

پیارے بچو!　　مولانا محمد ناصر

طوطا چشم

پیارے بچو! تم نے طوطے کو تو دیکھا ہوگا، طوطا سبز رنگ کا ایک خوبصورت پرندہ ہے، اس کی آواز بھی بہت اچھی ہوتی ہے، طوطے کو ایک بے وفا اور چالاک پرندہ سمجھا جاتا ہے، اسی وجہ سے جب کسی کی بے وفائی بتلانی ہو تو کہا جاتا ہے کہ یہ بڑا ''طوطا چشم'' ہے۔

کیا تمہیں ''طوطا چشم'' کہنے کا مطلب پتہ ہے؟

اگر نہیں پتہ تو سُنو! طوطے کو تو تم بہت اچھی طرح جانتے ہو، اور چشم آنکھ کو کہتے ہیں، طوطا چشم کا مطلب ہے کہ طوطے کی آنکھوں والا۔

کیونکہ طوطا بہت جلدی نظریں پھیر لیتا ہے، اور بے وفا ہو جاتا ہے، اس لیے جو آدمی بہت جلدی نظریں پھیر کر بے وفا ہو جاتا ہو، اُس کو کہا جاتا ہے کہ تو بڑا طوطا چشم ہے۔

بچو! آج ہم تمہیں طوطے کی ایک کہانی سُناتے ہیں، اور پھر اس کہانی سے جو سبق ملے گا، وہ بھی بتائیں گے، وہ سبق اچھی طرح یاد رکھنا، تمہارے کام آئے گا!!!

کسی زمانے میں ایک آدمی تھا، جو بہت بڑا تاجر تھا، تاجر اُسے کہتے ہیں جو سستی چیزیں خرید کر مہنگی بیچتا ہو، اور نفع کماتا ہو، تو وہ آدمی بھی تجارت کرتا تھا، اور اُس کے بہت سارے ملازم تھے، اور اُس نے اپنے گھر میں پنجرے کے اندر ایک طوطی بھی رکھی ہوئی تھا، جو بہت خوبصورت تھی، اور باتیں کرتی تھی۔

ایک مرتبہ اُس تاجر نے تجارت کے لیے کسی دوسرے ملک جانے کا پروگرام بنایا، تاجر نے اپنے سارے ملازموں سے پوچھا کہ تمہارے لیے اُس ملک سے کیا چیز لے کر آؤں، ہر ملازم نے اپنی پسند کی چیزیں بتائیں، آخر میں تاجر نے اپنی طوطی سے بھی پوچھا کہ تمہارے لیے اُس ملک سے کیا لاؤں؟

تو طوطی نے کہا کہ اُس ملک میں پہنچ کر جب آپ کو کسی باغ میں خوب سارے طوطے نظر آئیں، تو اُن کو میرا سلام کہنا، اور اُن کو میرے بارے میں بتانا کہ فلاں طوطی میرے پاس پنجرے میں بند ہے، اور اُسے تم طوطیوں سے ملنے کا بہت شوق ہے، اور اُس طوطی نے یہ پیغام دیا ہے کہ کیا یہ اچھی بات ہو کہ میں تم سے ملنے کے شوق میں تڑپ تڑپ کر مَر جاؤں، اور تم آزادی کے ساتھ سرسبز باغوں میں سیر کرو، کیا وفاداری

یہی ہے کہ میں پنجرے میں بند رہوں اور تم سب باغوں میں رہو۔

بچو! تاجر جب دوسرے ملک پہنچا، تو اُس نے ایک باغ میں ایک درخت پر بہت سارے طوطے دیکھے، تاجر نے اُن کو اپنی طوطی کا پیغام پہنچایا، تو اُن طوطوں نے بھی اپنا سلام اُس طوطی کو بھجوایا، مگر ایک طوطے نے جب پنجرے میں بند طوطی کا پیغام سُنا تو وہ کانپنے لگا، اور کانپتا ہوا درخت کی شاخ سے زمین پر ِگر گیا، اور بالکل مُردہ سا ہو گیا۔

تاجر نے جب یہ دیکھا کہ اُس کے پیغام پہنچانے سے ایک غریب طوطے کی جان چلی گئی، تو اُسے افسوس ہوا، اوراس نے سوچا کہ اگر یہ پیغام نہ دیتا تو اچھا ہوتا۔

آخرکار جب تاجر تجارت سے فارغ ہوکر واپس اپنے ملک آ گیا، تو اپنے ملازموں کو انعامات دیے، پنجرے میں بند طوطی نے کہا کہ طوطیوں نے مجھے کیا پیغام بھیجا ہے، جو کچھ سنا ہو، یا دیکھا ہو، مجھے بتاؤ۔

تاجر نے کہا کہ میں نے تیرا پیغام اور تیری شکایت طوطیوں کو پہنچا دی تھی، اُن طوطیوں میں سے ایک طوطے پر تیرے پیغام کا اتنا اثر ہوا کہ وہ برداشت نہ کر سکا، اور کانپتا ہوا درخت سے ِگر کر مَر گیا۔ پنجرے میں بند طوطی نے جب یہ بات سُنی کہ اُس طوطے نے کیا کیا، تو یہ بھی اسی طرح کانپتی ہوئی ِگر گئی۔

تاجر یہ دیکھ کر رونے لگا، اور افسوس کرنے لگا کہ میری خوبصورت طوطی مَر گئی، اس کے بعد تاجر نے طوطی کو پنجرے سے نکال کر باہر ڈال دیا، تو فوراً ہی طوطی اُڑ کر ایک اونچی شاخ پر جا کر بیٹھ گئی، تاجر نے منہ اوپر کیا، اور طوطی سے پوچھا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ طوطی نے کہا کہ اُس طوطے نے خود کو مُردہ بنا کر اپنے عمل سے مجھے یہ سبق دیا تھا کہ تیری آزادی اور چھوٹنے کا طریقہ یہی ہے کہ تو اپنے آپ کو اس طرح ظاہر کر کہ جیسا کہ مَر گئی ہے، اس کے بعد طوطی نے تاجر کو سلام کیا، اور اُڑتی ہوئی چلی گئی۔

بچو! تم نے دیکھا کہ طوطا کیسا بے وفا ہوتا ہے، اسی وجہ سے بے وفا کو طوطا چشم کہتے ہیں۔

طوطی نے کتنی چالاکی اور سمجھداری سے پنجرے سے اپنے آپ کو باہر نکلوالیا، اب سوچو! کہ طوطی پنجرے میں سے آزادی حاصل کرنے میں کس طرح کامیاب ہوئی؟

کیا طوطی نے تاجر سے لڑائی جھگڑا کیا؟ کیا طوطی نے تاجر کو گالم گلوچ کی، اور بُرا بھلا کہا؟ کیا طوطی نے تاجر پر غصہ کیا؟ کیا طوطی نے تاجر کو ڈرایا دھمکایا اور اپنے آپ کو بڑا عقل منداور بہادر کہا؟

نہیں! بلکہ طوطی نے اپنے آپ کو مٹا کر، اور عاجزی اختیار کر کے اپنے آپ کو پنجرے سے آزاد کرایا۔

بچو! اس کہانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ لڑائی جھگڑا کر کے، گالم گلوچ اور غصہ کر کے، یا اپنے آپ کو بڑا عقل مند اور بہادر کہنے سے مشکلوں میں کامیابی حاصل نہیں کی جاسکتی بلکہ اپنے آپ کو مٹا کر، اور عاجزی اختیار کر کے بڑی بڑی مشکلوں میں کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ (از معارفِ مثنوی)

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۴۶ ''سرگذشت عہدِ گل''﴾

کے ساتھ ساتھ اتباعِ سنت کا اجر بھی ہے (جب اتباعِ سنت کی نیت سے کیا جائے) یعنی ''ہم خرما و ہم ثواب'' [۱]

طب سے دلچسپی کی وجہ سے اور ادارے میں حفظانِ صحت کا شعور پیدا کرنے کے لیے چند سال پہلے آپ نے اساتذہ و اراکینِ ادارہ کے لیے حکمت کا مختصر کورس شروع کرایا تھا، جس میں حکیم کلیم اختر مرزا صاحب دام اقبالہٗ (سابق پروفیسر اجمل طبیہ کالج اور بانی اسلام آباد طبیہ کالج اور کلیم دواخانہ) کی خدمات حاصل کی تھیں، آپ خود بھی باقاعدگی سے ان طبی لیکچر اور دروس میں شریک ہوتے تھے۔

ادارہ کے شروع کے سالوں میں جب آپ کی دیگر مصروفیات زیادہ نہ تھیں، اس وقت میں صبح بعد نمازِ فجر طلبہ کرام کے لیے آپ نے (پندرہ تا بیس منٹ) ورزش کا معمول جاری کرایا تھا، اور ناشتے میں بجائے چائے کے گرمیوں میں دہی، لسی اور سردیوں میں کلونجی وغیرہ چند چیزوں سے ایک مرکب تیار کر کے دودھ میں بجائے پتی کے استعمال کرایا جاتا تھا، لیکن ان چیزوں کا عمومی ماحول نہ ہونے کی وجہ سے یہ سلسلے عارضی طور پر چل کر موقوف کرنے پڑے، آپ دینی سلسلہ میں طب کی بے شمار مثالیں اور اُصول ذکر فرماتے رہتے ہیں، جن کو ماہر اطباء بھی ملاحظہ کرنے کے بعد حیران رہ جاتے ہیں۔

---

[۱] یوں تو آپ مختلف طبی کتب سے استفادہ فرماتے ہیں، لیکن آپ کو طب میں چند کتب بطورِ خاص پسند ہیں، جن کے نام یہ ہیں:
(۱) حاذق: مؤلفہ، مسیح الملک حکیم اجمل خان۔　(۲) دیہاتی معالج: مؤلفہ، حکیم سعید صاحب۔
(۳) کتاب الصحت: مؤلفہ، حکیم قرشی صاحب۔　(۴) بستان المفردات وجواہر المفردات۔

بزمِ خواتین مفتی ابوشعیب

خواتین سے متعلق بنیادی شرعی احکام اور اصلاحی مضامین کا سلسلہ

شوہر کا مقام ومرتبہ (تیسری وآخری قسط)

معزز خواتین! شوہر کا مقام ومرتبہ سمجھنے کے لئے چند مزید احادیث ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثَلاثَةٌ لا تُقْبَلُ لَهُمْ صَلاةٌ، وَلا يَصْعَدُ لَهُمْ إِلَى اللَّهِ حَسَنَةٌ :السَّكْرَانُ حَتَّى يَصْحُوَ، وَالْمَرْأَةُ السَّاخِطُ عَلَيْهَا زَوْجُهَا، وَالْعَبْدُ الْآبِقُ حَتَّى يَرْجِعَ فَيَضَعَ يَدَهُ فِي يَدِ مَوَالِيهِ(المعجم الاوسط)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی نماز قبول نہیں ہوتی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی کوئی نیکی نہیں چڑھتی (یعنی ان کی کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی) نشے والا شخص، یہاں تک کہ وہ ہوش میں آجائے (یعنی اپنے نشے سے توبہ کر کے غفلت کی حالت سے ہوش کی حالت میں آجائے) اور وہ عورت جس پر اس کا شوہر ناراض ہو، اور بھاگنے والا غلام، یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے، پھر وہ اپنا ہاتھ اپنے آقا کے ہاتھ میں دے دے (یعنی ان کی اطاعت وفرمانبرداری اختیار کرلے) (معجم اوسط)

تشریح: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جس عورت کا شوہر کسی جائز اور معقول وجہ سے اس پر غصے اور اس سے ناراض ہو، تو اس کی نماز بلکہ کوئی نیکی بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوتی، اور نماز اور نیکی کا مقصد پوری طرح اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے، جبکہ وہ اللہ کے ہاں قبول ہوجائے، کیونکہ نماز یا کوئی بھی نیکی کرنے سے اصل مقصود اللہ تعالیٰ کو راضی اور خوش کرنا ہے، اور جب کوئی نیکی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول (یعنی پسندیدہ) ہی نہ ہوگی، تو اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا کیسے حاصل ہوسکتی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس عورت کا شوہر اس سے ناراض ہے، وہ نماز پڑھنا اور نیکی کا کام کرنا بالکل چھوڑ ہی بیٹھے، بلکہ حدیث شریف کا اصل تقاضا یہ ہے کہ ایسی عورت پہلی اور فوری کوشش یہ کرے کہ اپنے شوہر کی ناراضگی کے سبب کو دور کر کے اس سے اپنے غلط رویے کی معافی مانگے، اور اسے اپنے ساتھ راضی کرے، لیکن جب تک وہ یہ کام نہیں کرتی، اس وقت تک وہ اپنی نمازیں خصوصاً فرض نمازیں اور دیگر نیکی کے کام بھی کرتی رہے، اور اللہ

تعالیٰ سے ان کی قبولیت کی دعا بھی کرتی رہے، نیز یہ بھی جان لینا چاہئے کہ نماز، روزہ وغیرہ عبادات کا قبول ہونا نہ ہونا ایک الگ مسئلہ ہے، اوران کا درست ہونا یا نہ ہونا ایک الگ مسئلہ ہے، اس لئے اگر ایسی حالت میں کوئی خاتون نماز پڑھے گی، تو اس کی نماز درست ہو جائے گی، اور فرض اس کے ذمے سے اتر جائے گا، اس لئے اس نماز کی قضاء بھی لازم نہ ہوگی، بشرطیکہ اس نے نماز کی شرائط، ارکان، واجبات وغیرہ پورے کئے ہوں، اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ شوہر کو ناراض کرنے کے کتنے خطرناک نتائج ہیں، اسی سے شوہر کے مقام ومرتبہ کو بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

اس لئے خواتین کو چاہئے کہ شوہر کی مزاج شناس بنیں، اور جائز حدود میں رہتے ہوئے شوہر کو خوش رکھنے کا اہتمام کرتی رہیں، اور اگر کبھی کسی نامعقول حرکت کی وجہ سے شوہر ناراض ہو جائے، تو عورت کو چاہئے کہ وہ اپنی غلطی کی معافی مانگے، اور شوہر کو راضی کرنے میں ہرگز عار اور اپنی ذلت محسوس نہ کرے، اسی میں اس کی دنیا وآخرت کا فائدہ اور بھلائی ہے۔

ایک اور حدیث جو حدیث کی کتاب سنن ترمذی، سنن ابنِ ماجہ اور صحیح ابنِ حبان میں مذکور ہے، اور اس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، اس میں یہ ارشادِ نبوی ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے، ان میں سے ایک ایسی عورت ہے، جس کا شوہر اس پر غصے ہونے کی حالت میں رات گزارے (ملاحظہ ہو: سنن ترمذی، ابنِ ماجہ، باب من ام قوما وهم له كارهون)

ایک تیسری حدیث جو حدیث کی کتاب صحیح ابنِ خزیمہ میں حضرت عطاء بن دینار ہذلی سے مروی ہے، اس میں یوں ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی طرف سے نماز قبول نہیں ہوتی، اور نہ آسمان کی طرف چڑھتی ہے، اور نہ ان کے سروں سے تجاوز کرتی ہے، ان تینوں میں سے ایک ایسی عورت ہے، جس کو اس کا شوہر رات میں بلائے، اور وہ اس پر انکار کر دے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شوہر جب بیوی سے خاص حق کا مطالبہ کرے، تو اسے بغیر کسی معقول وجہ سے انکار کرنا درست نہیں، ورنہ وہ گناہ گار ہوگی، ہاں اگر معقول سبب ہے، مثلاً عورت نے حج یا عمرے کا احرام باندھ رکھا ہے، یا حیض ونفاس کی حالت میں مبتلا ہے، یا جسم میں کوئی بیماری، درد اور تکلیف ہے، یا کوئی اور معقول وجہ ہے، تو وہ وجہ بتا کر مناسب طریقے سے عذر کر دینا درست بلکہ بعض صورتوں میں ضروری ہے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :لَا تُؤْذِي امْرَأَةٌ زَوْجَهَا فِي الدُّنْيَا، إِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُهُ مِنَ الحُورِ العِينِ :لَا تُؤْذِيهِ، قَاتَلَكِ اللَّهُ،

فَإِنَّمَا هُوَ عِنْدَكِ دَخِيلٌ يُوشِكُ أَنْ يُفَارِقَكِ إِلَيْنَا "(سنن ترمذی)

اور سنن ابنِ ماجہ میں اس حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " :لَا تُؤْذِي امْرَأَةٌ زَوْجَهَا إِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُهُ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ :لَا تُؤْذِيهِ، قَاتَلَكِ اللَّهُ، فَإِنَّمَا هُوَ عِنْدَكِ دَخِيلٌ، أَوْشَكَ أَنْ يُفَارِقَكِ إِلَيْنَا "(سنن ابن ماجه، باب في المرأة تؤذي زوجها)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بھی کوئی عورت اپنے شوہر کو تکلیف پہنچاتی ہے، تو اس آدمی کی جنتی بیوی یعنی حورعین (اس دنیا والی بیوی سے) کہتی ہے کہ اللہ تجھے ہلاک کرے (اس کو تکلیف نہ پہنچا) یہ تو تیرے پاس (چند روز کا) مہمان ہے، قریب ہے (یعنی جلد ہی) وہ تجھ سے جدا ہو کر ہمارے پاس آ جائے گا (سنن ترمذی، سنن ابنِ ماجہ)

تشریح: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ شوہر کو کسی طرح کی کوئی تکلیف پہنچانے سے عورت کو اس کی جنتی بیوی (یعنی حورعین) ہلاکت کی بددعا دیتی ہے۔

خاتونِ محترم! شوہر کے مقام واحترام کا تقاضا یہ ہے کہ عورت نہ صرف یہ کہ اپنے شوہر کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے، بلکہ اپنی طرف سے اسے راحت وآرام پہنچانے کی کوشش کرے۔

قصداً وعمداً (یعنی جان بوجھ کر) تکلیف پہنچانا تو کسی مخلوق کو جائز نہیں، اور شوہر سے خواہ کتنا ہی اختلاف ہو جائے، اور وہ کتنا ہی برا اور گناہ گار کیوں نہ ہو، کم از کم اتنی بات تو ماننی پڑے گی، کہ وہ انسان اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق ضرور ہے، اس لئے اگر شوہر کا صرف یہی درجہ تسلیم کر لیا جائے، تب بھی قصداً وعمداً اسے تکلیف پہنچانا ہرگز جائز نہیں۔

بعض خواتین شوہر کی طرف سے کوئی خلافِ مزاج بات پیش آنے پر یا کسی غلط فہمی یا بدگمانی کی بنیاد پر انتقاماً شوہر سے تکلیف دہ رویہ اختیار کر لیتی ہیں، ایسا کرنا درست نہیں، ایسی خواتین کو ضرور جلد از جلد اپنے رویے میں خوش گوار تبدیلی لانی چاہئے، اور اس سلسلے میں اگر کسی ماں، بہن یا استانی وغیرہ سے مشورہ کرنے کی ضرورت ہو، تو اس میں ہرگز ہچکچاہٹ اختیار نہیں کرنی چاہئے، اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں دو رکعت نفل حاجت کی نیت سے پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے بھی اپنے رویے کی درستگی کی دعا کرنی چاہئے۔

اگر شوہر کی طرف سے کوئی ناگوار بات پیش آئی ہے، تو صبر کرنا چاہئے، اور اس سے درگزر کرنا چاہئے، اور اگر کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، تو اس کی وضاحت کر لینی چاہئے، اور بدگمانی کرنا تو ہے ہی گناہ، اور ناجائز اس سے توبہ کرنی چاہئے۔

اور بعض خواتین قصداً وعمداً تو شوہر کو تکلیف نہیں پہنچاتیں، لیکن ان کے کسی طرزِ عمل کی وجہ سے یا غفلت ولاپرواہی کی وجہ سے غیر ارادی طور پر ان سے ان کے شوہر کو تکلیف پہنچ جاتی ہے، انہیں شاید تکلیف پہنچانے کا گناہ تو نہ ہو، لیکن اس معاملے میں لاپرواہی وغفلت اختیار کرنے کا گناہ ہوگا، اس لئے اپنی طرف سے شوہر کو خصوصاً اور باقی متعلقین کو عموماً راحت پہنچانے اور تکلیف سے بچانے کا اہتمام رکھنا چاہئے۔

غیر ارادی طور پر تکلیف پہنچ جانے کی بہت سی صورتیں ممکن ہیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

اکثر خواتین کی عادت ہوتی ہے کہ جب انہیں بازار جانا ہو، یا کسی پارک میں جانا ہو، یا کسی کے گھر جانا ہو، خصوصاً خوشی کی کسی تقریب میں شرکت کرنی ہو، تو بہترین لباس، بہترین جوتے پہنتی ہیں، اور مہکنے والی کریمیں اور پاؤڈر اور خوشبوئیں لگا کر خوب آرائش اور میک اپ کر کے ممکنہ حد تک خوبصورت بن کر نکلتی ہیں، لیکن گھر میں عموماً صاف ستھری ہو کر اور آرائش وزیبائش کر کے رہنے کا اہتمام نہیں کرتیں، میلے کپڑوں، پرانے جوتوں اور الجھے ہوئے بالوں کے ساتھ دن رات، صبح شام گزارتی رہتی ہیں، بہت ساری عورتوں کا مقصد اس طرزِ عمل سے شوہر کو تکلیف پہنچانا نہیں ہوتا، لیکن ان کے اس طرزِ عمل سے غیر ارادی طور پر شوہر کو تکلیف پہنچتی رہتی ہے، ایسی خواتین کو چاہئے کہ وہ اپنے اس طرزِ عمل میں جائز حدود میں رہتے ہوئے اور شوہر کے مزاج کو دیکھتے ہوئے تبدیلی لائیں۔

قرآن وسنت میں عورت کے گھر سے باہر جاتے وقت زیب وزینت اختیار کرنے اور خوشبو وغیرہ لگانے کی حوصلہ شکنی معلوم ہوتی ہے، شریعت میں یہ ناپسندیدہ عمل ہے، بلکہ حدیث شریف میں بعض ایسی صورتوں میں وعید بیان کی گئی ہے، ایک حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ کوئی عورت جب عطر (یعنی خوشبو خواہ عطر کی ہو یا پرفیوم کی یا کریم، لوشن، پاؤڈر وغیرہ کی) لگا کر (نامحرم مَردوں کی) مجلس (یعنی بازار یا پارک وغیرہ) میں گزری، تو وہ ایسی ویسی ہے، یعنی زنا کار ہے (سنن ابوداؤد، سنن ترمذی)

اس کے برعکس اگر کوئی عورت اپنے شوہر کو خوش کرنے کی خاطر جائز طریقے سے زیب وزینت اختیار کرتی ہے، تو اس کا یہ عمل باعثِ ثواب ہوگا۔

خواتین کو چاہئے کہ وہ اپنے منہ اور دانتوں کو خاص طور پر صاف ستھرا رکھنے کا اہتمام کیا کریں، کیونکہ منہ کی بدبو سے مخاطب کو کافی تکلیف پہنچتی ہے، لیکن اس تکلیف کا اظہار بہت ہی شاذ ونادر کیا جاتا ہو تو ہو، ورنہ عموماً انتہائی بے تکلفی کا تعلق رکھنے والا بھی اس کو بہت کم زبان پر لاتا ہے۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کا رفیقِ حیات مروت اور لحاظ میں اس تکلیف کا اظہار نہ کرے، اور آپ کے قرب

سے اسے مسلسل تکلیف پہنچتی رہے، اس لئے اس کا خود سے اہتمام رکھیں۔

بعض اوقات خاتونِ خانہ کے بے سلیقہ ہونے کی وجہ سے بھی خاوند کو غیر ارادی طور پر تکلیف اور کڑھن ہوتی رہتی ہے، اور کئی دفعہ مروت ولحاظ میں یا موقع نہ ہونے کی وجہ سے شوہر اس تکلیف کا بھی بیوی کے سامنے اظہار نہیں کرتا، اور اندر ہی اندر کڑھتا رہتا ہے، خواتین کو اس طرف بھی توجہ رکھنی چاہئے، اور اپنے آپ کو سلیقہ شعار بنا کر شوہر کو راحت پہنچانی چاہئے۔

بے سلیقہ ہونے کا اندازہ گھر کے مختلف امور کا جائزہ لینے سے ہوسکتا ہے، مثلاً بعض خواتین گھر کی صفائی نہیں کرتیں، اَن دھلے برتنوں کا ڈھیر لگا رہتا ہے، ان پر مکھیاں بھنبھناتی رہتی ہیں، مگر بیگم صاحبہ کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی، میلے کچیلے کپڑے بکھرے پڑے رہتے ہیں، مگر مجال ہے کہ بیگم صاحبہ انہیں لپیٹ کر سٹور وغیرہ میں رکھ دیں، بعض گھروں میں دودھ پیتے بچوں کے پیشاب پاخانے سے لتھڑے ہوئے پاجامے بھی غسل خانے میں یونہی پڑے رہتے ہیں، اور گھر میں تعفن و بدبو کا باعث بنتے رہتے ہیں، بعض خواتین ایسی بے سلیقہ ہوتی ہیں کہ اس طرح کے ڈھیروں کام ہوتے ہوئے بھی لاپرواہی اور غفلت کی طرح کام چور بن کر پڑی رہتی ہیں، اور کاموں کو ہاتھ تک نہیں لگاتیں۔

یہ سب باتیں شوہر کو تکلیف پہنچانے والی ہیں، خصوصاً لطیف اور نازک مزاج شوہر کا تو ایسے گھر میں جینا دوبھر اور مشکل ہوجاتا ہے، مگر اہلیہ صاحبہ کو اس طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔

بعض خواتین کے مزاج میں سستی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ کام سست رفتاری سے کرتی ہیں، لیکن شوہر کے مزاج میں چستی اور پھرتیلا پن ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی بیوی بھی تیزی سے کام کیا کرے، اور بیوی کی سست روی کی وجہ سے خاوند کو کڑھن اور تکلیف ہوتی ہے، ایسی خواتین کو چاہئے کہ آہستہ آہستہ اپنے کام کرنے کی رفتار تیز کرنے کی کوشش کریں، خصوصاً جن کاموں میں شوہر کی طرف سے جلدی کا تقاضا ہو، انہیں ممکنہ حد تک صحیح اور جلد انجام دیں۔

بعض خواتین مختلف طرح کے کھانے پکانے میں ماہر نہیں ہوتیں، جبکہ خاوند انواع واقسام کے لذیذ کھانے کھانے کا خواہش مند ہوتا ہے، اور بعض خواتین عمدہ اور لذیذ کھانے کھانے کا تو ذوق رکھتی ہیں، لیکن پکانے میں مہارت نہیں رکھتیں، یہ بات بھی شوہر کی تکلیف اور کڑھن کا باعث بنتی رہتی ہے۔

یاد رکھیں! مختلف طرح کے عمدہ اور لذیذ کھانے پکانے میں مہارت رکھنا عورت کی اہم اور بنیادی خوبی ہے، اس خوبی

سے عاری خواتین کو چاہئے کہ عمر کے جس حصے میں ہیں، اپنے اندر اس خوبی کو پیدا کرنے کی کوشش شروع کردیں، خصوصاً وہ کھانے جو شوہر کی پسندیدہ ڈشیں ہیں، ان کے پکانے میں ضرور مہارت پیدا کریں۔

کئی مرد حضرات اپنی بیویوں کی اسی خوبی کے نہ ہونے کی وجہ سے خطیر رقمیں خرچ کر کے مہنگے ہوٹلوں سے کھانا کھانے کے عادی ہوجاتے ہیں، عورتوں کو چاہئے کہ وہ گھر میں ہی اپنے شوہر کے ذوق کے مطابق کھانے تیار کر کے اسے اپنے گھر کے کھانے کا عادی بنائے۔

عورت میں اگر یہ خوبی نہ ہوتو مرد اپنے دوستوں اور متعلقین کی گھر پر دعوت کرنے سے بھی ہچکچاتا ہے، اور اپنی سبکی کے ڈر سے گھر پر کسی کو مدعو نہیں کرتا، یہ بات بھی شوہر کے لئے تکلیف کا باعث ہے، جس کا سبب عورت ہے۔

بعض خواتین کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے شوہر یا شوہر کے والدین یا بھائی بہنوں کی خامیوں کو مختلف طریقوں سے ہتک آمیز لہجے میں بیان کرتی رہتی ہیں، یعنی جب کبھی کوئی ایسی بات ہوتی ہے یا کوئی موقع دیکھتی ہیں، جھٹ زبان کے خنجر سے شوہر کا دل چھلنی کرتی ہیں، شوہر بے چارہ بسا اوقات اپنا سا منہ لے کر رہ جاتا ہے۔

خبردار یہ بہت خطرناک اور گناہ کی بات ہے، اس طرح کے رویے سے کبھی شوہر کے دل میں آپ کا مقام نہیں بنے گا، اور وہ ہمیشہ آپ کی زبان کے کچوکوں سے تکلیف اٹھاتا رہے گا۔

خامی ہر انسان میں ہوتی ہے، یقیناً شوہر حضرات بھی اس سے بَری نہیں ہیں ہر شوہر میں کوئی نہ کوئی خامی ہوتی ہی ہے، مگر عورت کو چاہئے کہ وہ اپنی خامیوں کو دیکھے، اور شوہر کی خامیوں کو نظر انداز کرے، کبھی کبھار مناسب موقع پر صحیح طریقہ سے خیر خواہانہ اور مخلصانہ جذبہ سے ادب کے ساتھ اسے نیکی کی ترغیب اور گناہ سے نفرت ضرور دلاتے رہنا چاہئے، لیکن بات بات پر موقع بے موقع شوہر کی خامیوں کو ذکر کرنا بہت بری حرکت ہے۔

بعض خواتین خاصی تعلیم یافتہ ہوتی ہیں، اور لکھنے پڑھنے کے کاموں میں خاوند کا ہاتھ بھی بٹا سکتی ہیں، اور دوسری طرف خاوند کی خواہش بھی یہ ہوتی ہے کہ اسے اپنی بیوی کے تعلیم یافتہ ہونے کا فائدہ حاصل ہو، لیکن اس کے باوجود عورتیں تساہل پسندی و آرام طلبی کی وجہ سے شوہر کے تعلیمی نوعیت کے کاموں میں اس کا ہاتھ نہیں بٹاتیں۔

یہ بات بھی کسی درجے میں شوہر کی تکلیف کا باعث بنتی ہے، اس لئے پڑھی لکھی خواتین کو اپنے اس طرزِ عمل پر بھی غور کرنا چاہئے۔

غرضیکہ لاشعوری اور غیر ارادی طور پر خواتین کی طرف سے شوہر کو تکلیف پہنچنے کی متعدد اور مختلف شکلیں ہیں، کوشش کریں کہ آپ کی طرف سے آپ کے شوہر کو غیر ارادی طور پر بھی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ فقط

وفقکم اللہ تعالیٰ

Idara Ghufran

آپ کے دینی مسائل کا حل ادارہ

وتر کی نماز کا وقت اور وتر کے بعد نوافل کی تحقیق

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

وتر کی نماز کا وقت کیا ہے، اور کس وقت اس کو پڑھنا افضل ہے؟

اور کیا وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھنا بھی سنت و مستحب ہے یا کہ نہیں؟

جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حنفیہ کے نزدیک وتر کی نماز کا وقت عشاء کی نماز ہی کا وقت ہے، پس عشاء کی نماز کے ادا وقت میں صبح صادق سے پہلے پہلے جب بھی وتر پڑھ لئے جائیں، تو وہ اپنے وقت میں پڑھنا کہلائیں گے۔

البتہ اتنا فرق ہے کہ وتر کی نماز عشاء کی نماز کے تابع ہے، یعنی وتر کی نماز عشاء کی نماز ادا کر لینے کے بعد ہی درست ہوتی ہے (تحفة الفقهاء للسمرقندی، ج ا ص ۱۰۳، کتاب الصلاة، باب مواقیت الصلاة)

اور وتر کی نماز کو رات کی آخری نماز بنانا افضل ہے، لہٰذا جو شخص رات کے آخری حصہ میں بیدار رہ کر تہجد ادا کر کے بعد میں صبح صادق سے پہلے پہلے وتر پڑھ لے، یہ زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اسی پر عمل تھا۔

لیکن اگر رات کو بیدار ہونے پر اطمینان نہ ہو، جس کی وجہ سے وتر کی نماز قضا ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو ایسی صورت میں سونے سے پہلے ہی کچھ حسبِ توفیق نوافل کے بعد وتر پڑھ لینے میں احتیاط ہے، پھر اگر رات کے آخری حصہ میں بھی توفیق ہو جائے، تو حسبِ استطاعت نوافل پڑھ لی جائیں۔

اور عامۃُ الناس کے لئے یہی طریقہ زیادہ احتیاط کا باعث ہے، اور اسی پر حضرت ابوبکر صدیق اور کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل تھا، اور اسی کی نبی ﷺ نے کئی صحابۂ کرام کو وصیت و تاکید فرمائی تھی۔

اور رات کو سونے سے پہلے وتروں کے بعد نوافل پڑھنا بھی جائز ہے، لیکن افضل و مستحب طریقہ یہ ہے کہ عشاء کے بعد جتنے نوافل پڑھنا چاہیں، وتر سے پہلے پڑھ لیں، اور وتر آخر میں پڑھیں، اس کے بعد نوافل

نہ پڑھیں، اگر پڑھ لیں، تو جائز ہے۔

اور نوافل کا بیٹھ کر پڑھنا بھی جائز ہے، لیکن اگر کھڑے ہونے میں کوئی عذر نہ ہو، تو احادیث کی رُو سے بیٹھ کر پڑھنے میں کھڑے ہو کر پڑھنے کے مقابلہ میں آدھا ثواب ہے۔

اور بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے میں زیادہ ثواب سمجھنا دلائل کے لحاظ سے راجح نہیں ہے۔

آگے اس مسئلہ کی احادیث وروایات کی روشنی میں تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

وتر کی نماز کا ادا وقت

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِنَّ اللهَ زَادَكُمْ صَلَاةً، وَهِيَ الْوِتْرُ، فَصَلُّوهَا فِيمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى صَلَاةِ الْفَجْرِ (مسنداحمد، حديث نمبر ۲۳۸۵۱، باسناد صحيح)

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک نماز کو زیادہ کیا ہے، اور وہ وتر کی نماز ہے، تو تم اس کو پڑھو، عشاء کی نماز سے لے کر فجر کی نماز کے درمیان تک (ترجمہ ختم)

اور حضرت خارجہ بن حذافہ عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَمَدَّكُمْ بِصَلَاةٍ هِيَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ، وَهِيَ الْوِتْرُ، فَجَعَلَهَا لَكُمْ فِيمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى صَلَاةِ الْفَجْرِ (مستدرک حاكم،حديث نمبر ۱۱۴۸) [1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے تمہارے لئے ایک نماز زیادہ فرمائی ہے، جو کہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے، اور وہ وتر کی نماز ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے لئے عشاء کی نماز سے لے کر فجر کی نماز کے درمیان مقرر کیا ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

مِنْ كُلِّ اللَّيْلِ قَدْ أَوْتَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ، وَأَوْسَطِهِ، وَآخِرِهِ، فَانْتَهَى وِتْرُهُ إِلَى السَّحَرِ (مسلم ،حديث نمبر ۷۴۵)

ترجمہ: رات کے ہر حصہ میں رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھے ہیں، رات کے اول حصہ میں،

---

[1] قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ، رُوَاتُهُ مَدَنِيُّونَ ومِصْرِيُّونَ، وَلَمْ يَتْرُكَاهُ إِلَّا لِمَا قَدَّمْتُ ذِكْرَهُ مِنْ تَفَرُّدِ التَابِعِيِّ عَنِ الصَّحَابِيِّ" وقال الذهبى فى التلخيص: صحيح.

اور درمیانی حصہ میں، اور آخری حصہ میں، اور آپ کے وتر کی انتہاء سحری کے وقت تک تھی
(ترجمہ ختم)

اورحضرت اسود بن ہلال فرماتے ہیں کہ:

أَشْهَدُ عَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ لَقَدْ سَمِعْتُهُ يُنَادِي، بِهَا نِدَاءً :الْوِتْرُ مَا بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ، صَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ الَّتِي تُسَمُّونَ الْعَتَمَةَ، وَصَلَاةِ الْفَجْرِ مَتَى أَوْتَرْتَ فَحَسَنٌ (المعجم الكبير للطبراني ،حديث نمبر ۹۴۱۲) [1]

ترجمہ: میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ان سے یہ سنا، اور وہ اونچی آواز سے فرمارہے تھے کہ وتر دونمازوں کے درمیان ہے،عشاء کی اس نماز کے درمیان جس کو عتمہ کہا جاتا ہے،اور فجر کی نماز کے درمیان، جب بھی آپ وتر پڑھ لیں،تو اچھا ہے(ترجمہ ختم)

نمازِ وتر کا افضل وقت اور وتروں کے بعد نوافل پڑھنے کی بحث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :اجْعَلُوا آخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا(بخاری، حديث نمبر ۹۹۸، مسلم، حديث نمبر ۷۵۱)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم رات میں اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ(ترجمہ ختم)

اورحضرت اسود، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ حَتَّى يَكُونَ آخِرَ صَلَاتِهِ الْوِتْرُ(مسلم، حديث نمبر ۷۴۰)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں (نفل نماز) پڑھتے تھے، یہاں تک کہ آپ کی آخری نماز وتر ہوتی تھی (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ وتر کی نماز کو رات کے آخری حصہ میں (صبح صادق سے پہلے پہلے) پڑھنا بہتر وافضل ہے،اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر میں اسی پر عمل تھا۔ نیز افضل عمل یہی ہے کہ رات کی آخری نماز وتروں کو بنایا جائے۔

(ملاحظة هو:شرح ابی داؤد للعینی، کتاب الصلاة، باب فی صلاة اللیل،شرح النووی ،بَابُ صَلَاةِ اللَّيْلِ وَعَدَدِ رَكَعَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اللَّيْلِ)

---

[1] قال الهيثمی:رواه الطبرانی فی الكبير، ورجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد ج۲ ص۲۴۵)

لیکن وتر کی نماز کو رات کے آخری حصہ میں (صبح صادق سے پہلے پہلے) پڑھنا بہتر وافضل اس کے لئے ہے، جس کو رات کے آخری حصہ میں بیدار ہو کر (صبح صادق سے پہلے پہلے) وتر پڑھ لینے کا یقین ہو، ورنہ رات کے اول حصہ میں ہی پڑھ لینے میں احتیاط ہے۔

چنانچہ حضرت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

أَيُّكُمْ خَافَ أَنْ لَا يَقُومَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ، ثُمَّ لِيَرْقُدْ، وَمَنْ وَثِقَ بِقِيَامٍ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ مِنْ آخِرِهِ، فَإِنَّ قِرَاءَةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَحْضُورَةٌ، وَذٰلِكَ أَفْضَلُ (مسلم، حديث نمبر ۷۵۵، كتاب صلاة المسافرين وقصرها)

ترجمہ: تم میں سے جس شخص کو یہ خوف ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں نہیں اٹھ سکے گا، تو اسے چاہئے کہ وتر پڑھ لے، پھر لیٹے، اور جس شخص کو رات کو اٹھنے کا یقین ہو، تو اسے چاہئے کہ وہ رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھے، کیونکہ رات کے آخری حصہ کی قرأت (ونماز) حاضر کی جاتی ہے، اور یہ (رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھنے کا) طریقہ افضل ہے (ترجمہ ختم)

رات کے آخری حصہ کی نماز وقرأت کے حاضر کئے جانے کا بعض محدثین نے تو یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ رحمت کے فرشتے اس وقت حاضر ہوتے ہیں، اور بعض نے یہ مطلب بیان فرمایا کہ رات اور دن کے فرشتے اس وقت میں موجود ہوتے ہیں، دن کے فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں، اور رات کے فرشتے اس وقت آسمان پر جاتے ہیں، تو یہ وقت رات اور دن کے فرشتوں کے اجتماع کا وقت ہے۔

(كذافي: مرقاة ج۳ص ۹۴۳، كتاب الصلاة، باب الوتر)

اور یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ اس وقت بندوں کی طرف اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاص متوجہ ہوتی ہے، اور اس وقت کی عبادت اللہ تعالیٰ کے دربارِ خاص میں حاضر کی جاتی ہے، کیونکہ احادیث میں اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاص کے نازل ہونے کا ذکر ہے۔

(ملاحظه هو: بخاری، حديث نمبر ۱۱۴۵، كتاب الجمعة، باب الدعاء في الصلاة من آخر الليل)

اور حضرت غضیف بن حارث سے ایک لمبی روایت میں یہ مضمون مروی ہے کہ:

قُلْتُ لِعَائِشَةَ :أَرَأَيْتِ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ أَوْ فِي آخِرِهِ؟ قَالَتْ :رُبَّمَا اغْتَسَلَ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ، وَرُبَّمَا اغْتَسَلَ فِي آخِرِهِ ، قُلْتُ :اللّٰهُ أَكْبَرُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً .قُلْتُ :أَرَأَيْتِ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوتِرُ أَوَّلَ اللَّيْلِ أَمْ

فِی آخِرِہِ؟ قَالَتْ :رُبَّمَا أَوْتَرَ فِی أَوَّلِ اللَّيْلِ وَرُبَّمَا أَوْتَرَ فِی آخِرِہِ ، قُلْتُ :اللَّهُ أَكْبَرُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِی جَعَلَ فِی الْأَمْرِ سَعَةً .قُلْتُ :أَرَأَيْتِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْهَرُ بِالْقُرْآنِ أَمْ يَخْفُتُ بِهِ؟ قَالَتْ :رُبَّمَا جَهَرَ بِهِ وَرُبَّمَا خَفَتَ ، قُلْتُ اللَّهُ أَكْبَرُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِی جَعَلَ فِی الْأَمْرِ سَعَةً (ابوداؤد، حديث نمبر ۲۲۶،،كتاب الطهارة، باب :الجنب يؤخر الغسل)

ترجمہ: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ غسلِ جنابت رات کے اول حصہ میں فرماتے تھے، یا آخری حصہ میں؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بہت سی دفعہ رات کے اول حصہ میں غسل فرماتے تھے، اور بہت سی دفعہ رات کے آخری حصہ میں غسل فرماتے تھے، میں نے کہا کہ اللہ اکبر! تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں، جس نے اس معاملہ میں وسعت پیدا فرمادی ہے۔ میں نے عرض کہ کیا رسول اللہ ﷺ رات کے اول حصہ میں وتر پڑھا کرتے تھے، یا آخری حصہ میں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا کہ بہت سی دفعہ رات کے اول حصہ میں وتر پڑھا کرتے تھے، اور بہت سی دفعہ رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھا کرتے تھے، میں نے کہا اللہ اکبر! تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں، جس نے اس معاملہ میں وسعت پیدا فرمادی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ (رات کو نماز وغیرہ میں) قرآن مجید بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے، یا آہستہ آواز میں؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا کہ بہت سی دفعہ بلند آواز میں پڑھا کرتے تھے، اور بہت سی دفعہ آہستہ آواز میں پڑھا کرتے تھے، میں نے کہا کہ اللہ اکبر! تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں، جس نے اس معاملہ میں وسعت پیدا فرمادی ہے (ترجمہ ختم)

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے، اور وہ حضرت حماد رحمہ اللہ سے، اور وہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے، اور وہ حضرت ابوعبداللہ جدلی رحمہ اللہ سے، اور وہ حضرت عقبہ بن عمرو اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر احيانا من اول الليل ووسطه وآخره لتكون سعة للمسلمين (كتاب الآثار لابى يوسف ،حديث نمبر ۳۳۸)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کبھی رات کے اول حصہ میں اور کبھی درمیانی حصہ میں، اور کبھی آخری حصہ میں وتر پڑھا کرتے تھے، تاکہ مسلمانوں کے لئے وسعت ہو جائے (ترجمہ ختم)

یہ روایت سند کے اعتبار سے مضبوط ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز کے بعد وتر پڑھنا جائز ہے، اور جس شخص کو رات کے آخری حصہ میں (صبح صادق سے پہلے پہلے) وتر پڑھنے کا یقین ہو، اس کے لئے رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھنا افضل ہے۔

اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَبِي بَكْرٍ :مَتَى تُوتِرُ؟ ، قَالَ :أُوتِرُ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ، وَقَالَ لِعُمَرَ :مَتَى تُوتِرُ؟ ، قَالَ :آخِرَ اللَّيْلِ، فَقَالَ لِأَبِي بَكْرٍ :أَخَذَ هَذَا بِالْحَزْمِ ، وَقَالَ لِعُمَرَ :أَخَذَ هَذَا بِالْقُوَّةِ(ابوداؤد، حديث نمبر ۱۴۳۴)

ترجمہ: نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ وتر کس وقت پڑھتے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں رات کے اول حصہ میں پڑھتا ہوں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ وتر کس وقت پڑھتے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ رات کے آخری حصہ میں پڑھتا ہوں، تو نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ انہوں نے احتیاط کو اختیار کیا (جس میں وتر کے قضا ہونے کا شبہ نہیں) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ انہوں نے قوت (وعزیمت) کو اختیار کیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ مسیّب سے روایت ہے کہ:

أَنَّ أَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ تَذَاكَرَا الْوِتْرَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ :أَمَّا أَنَا فَأَنَامُ عَلَى وِتْرٍ، فَإِنِ اسْتَيْقَظْتُ صَلَّيْتُ شَفْعًا حَتَّى الصَّبَاحِ، وَقَالَ عُمَرُ :لَكِنِّي أَنَامُ عَلَى شَفْعٍ، ثُمَّ أُوتِرُ مِنَ السَّحَرِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِي بَكْرٍ :حَذِرَ هَذَا وَقَالَ لِعُمَرَ :قَوِيَ هَذَا (مصنف عبدالرزاق،حديث نمبر ۴۶۱۵، كتاب الصلاة، باب :أي ساعة يستحب فيها الوتر)

ترجمہ: حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ کے سامنے وتر کا ذکر کیا، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو وتر پڑھ کر سوتا ہوں، پھر اگر میں رات کو بیدار ہوتا ہوجاتا ہوں، تو صبح تک دو دو رکعتیں (نفلوں کی) پڑھتا رہتا ہوں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لیکن میں تو نفلوں کی چند رکعتیں پڑھ کر سوجاتا ہوں، پھر میں سحری کے وقت وتر پڑھتا ہوں، تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا کہ انہوں نے احتیاط کو اختیار کیا، اور حضرت عمر سے فرمایا کہ انہوں نے قوت کو اختیار کیا (ترجمہ ختم)

اورحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

أَوْصَانِي خَلِيلِي بِثَلاَثٍ لاَ أَدَعُهُنَّ حَتَّى أَمُوتَ :صَوْمِ ثَلاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، وَصَلاَةِ الضُّحَى، وَنَوْمٍ عَلَى وِتْرٍ (بخاری، حدیث نمبر ۱۱۷۸)

ترجمہ: مجھے میرے خلیل (رسول اللہ ﷺ) نے تین چیزوں کی وصیت فرمائی کہ میں انہیں مرتے دم تک نہ چھوڑوں، ایک ہر مہینے میں تین روزے، اور دوسرے چاشت کی نماز، اور تیسرے وتر پڑھ کر سونا (ترجمہ ختم)

اور وتر سونے سے پہلے پڑھنے کا حکم فرمانے کی وجہ یہی تھی، تاکہ رات کو سوتے رہ جانے کی وجہ سے وتر کی نماز قضانہ ہو (عمدة القاری ج۷ص ۲۴۳، کتاب التطوع، باب صلاة الضحی فی الحضر)

اس سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں وتر پڑھ کر سونے میں احتیاط ہے، پھر اگر رات کو تہجد کے لئے آنکھ کھل جائے، تو اٹھ کر تہجد پڑھ لی جائے۔

اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ رات کو سونے سے پہلے اگر نوافل پڑھنی ہوں، تو ان کو وتروں سے پہلے اور وتروں کو آخر میں پڑھنا افضل ہے، تاکہ وتر پر صبح ہو۔

بعض احادیث میں حضور ﷺ کا وتروں کے بعد دو رکعت پڑھنا منقول ہے، جن میں سے بعض روایات میں ان دو رکعتوں کو بیٹھ کر پڑھنے کا بھی ذکر ہے۔

(ملاحظه هو: مسلم ،حديث نمبر ۷۳۸،صحيح ابن حبان،حديث نمبر ۲۶۳۴،سنن دارقطني،حديث نمبر ۱۷۰۲)

ان دو رکعتوں کے بارے میں محدثین اور اہلِ علم کی آراء مختلف ہیں۔

بعض حضرات نے وتر کے بعد کی ان دو رکعت کو عام نفل یا تہجد کی نماز کے بجائے فجر کی سنتوں پر محمول کیا ہے۔

اور بعض حضرات نے وتر کے بعد نفل کی دو رکعت کو منسوخ قرار دیا ہے، اور ان کا کہنا یہ ہے کہ وتروں کا رات کی آخری نماز ہونا ہی حضور ﷺ کی آخری سنت ہے، اور وتروں کے بعد ان دو رکعتوں کو پڑھنے کا عمل پہلے کا ہے۔

(كذافي: كشف الستر عن حكم الصلاة بعد الوتر لابنِ حجر، ص ۶۷تا۷۶،شرح النووی علیٰ مسلم ج۶ ص ۲۱، ۲۲، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبى صلى الله عليه وسلم فى الليل،فتح البارى لابنِ حجر، ج۲ ص ۴۸۰، ۴۸۱،قوله باب الصلاة قبل العيد وبعدها،شرح ابى داؤد للعينى، ج۵ ص ۳۵۰، كتاب الصلاة، باب فى وقت الوتر)

لیکن کیونکہ حضور ﷺ اور بعض صحابہ و تابعین سے فی الجملہ وتروں کے بعد دو نوافل کا پڑھنا ثابت ہے، اور

ممانعت کی کوئی دلیل نہیں، اور نفل نمازوں کے لئے یہ مکروہ وقت بھی نہیں، اس لئے راجح یہ ہے کہ وتروں کے بعد نفل پڑھنا جائز عمل ہے۔

(ملاحظہ ہو: شرح معانی الآثار، کتاب الصلاۃ، بَابُ التَّطَوُّعِ بَعْدَ الْوِتْرِ، کشف الستر عن حکم الصلاۃ بعدا لوتر لابن حجر، ص ۷۲، ۷۳، مرقاۃ، ج۳ص۹۵۷، کتاب الصلاۃ، باب الوتر، الاوسط لابن المنذر، تحت حدیث رقم ۲۶۴۰)

اور اگرچہ بعض نے وتروں کے بعد دو رکعت اور ان کو بھی بیٹھ کر پڑھنے کو سنت یا مستحب قرار دیا ہے، لیکن اکثر محدثین وفقہائے کرام وتروں کے بعد دو رکعتوں کو جائز تو قرار دیتے ہیں، مگر اس کے سنت ومستحب ہونے کے قائل نہیں۔ اور ہمارے نزدیک دلائل کے لحاظ سے یہی راجح ہے۔ [۱]

---

[۱] وفی شرح الطیبی قال أحمد :لا أفعلهما ولا أمنع فعلهما .وأنكره مالك، قال النووی :هاتان الركعتان فعلهما رسول الله صلى الله عليه وسلم جالسا لبيان جواز الصلاة بعد الوتر، وبيان جواز النفل جالسا، ولم يواظب على ذلك، وأما رد القاضی عياض رواية الركعتين فليس بصواب ;لأن الأحاديث إذا صحت وأمكن الجمع بينها تعين، وقد جمعنا ثم قال :ولا تغتر بمن يعتقد سنية هاتين الركعتين ويدعو إليه لجهالته وعدم أنسه بالأحاديث الصحيحة(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح،باب الوتر)

وهذا الحديث محمول على أنه صلى الله عليه وسلم صلى الركعتين بعد الوتر بيانا لجواز الصلاة بعد الوتر ويدل عليه أن الروايات المشهورة فی الصحيحين عن عائشة مع رواية خلائق من الصحابة رضی الله عنهم فی الصحيحين مصرحة بأن آخر صلاة النبی صلى الله عليه وسلم فی الليل كانت وترا وفی الصحيحين أحاديث كثيرة بالامر بكون آخر صلاة الليل وترا كقوله صلى الله تعالى عليه وسلم "اجعلوا آخر صلاتكم بالليل وترا وقد تقدم قريبا عن الصحيحين "كقوله صلى الله عليه وسلم "صلاة الليل مثنى مثنى فإذا خفت الصبح فأوتر بواحدة "روياه فی الصحيحين من رواية ابن عمر رضی الله عنهما فكيف يظن بالنبی صلى الله عليه وسلم مع هذه الأحاديث وأشباهها أنه كان يداوم على ركعتين بعد الوتر وإنما معناه ما ذكرناه أولا من بيان الجواز وإنما بسطت الكلام فی هذا الحديث لأنی رأيت بعض الناس يعتقد أنه يستحب صلاة ركعتين بعد الوتر جالسا ويفعل ذلك ويدعو الناس إليه وهذه جهالة وغباوة أنسه بالأحاديث الصحيحة وتنوع طرقها وكلام العلماء فيها فاحذر من الاغترار به واعتمد ما ذكرته أولا وبالله التوفيق(المجموع شرح المهذب ،ج۴ص۱۶، ۱۷، باب صلاة التطوع)

ومنها ، الركعتان بعد الوتر ، فظاهر كلام أحمد أنه لا يستحب فعلهما ، وإن فعلهما إنسان جاز .قال الأثرم : سمعت أبا عبد الله يسأل عن الركعتين بعد الوتر ، قيل له :قد روی عن النبی صلى الله عليه وسلم من وجوه ، فما ترى فيهما ؟ فقال :أرجو إن فعله إنسان أن لا يضيق عليه ، ولكن يكون وهو جالس ، كما جاء الحديث .قلت :تفعله أنت ؟ قال :لا ، ما أفعله .وعدهما أبو الحسن الآمدی من السنن الراتبة .والصحيح أنهما ليستا بسنة ؛ لأن أكثر من وصف تهجد النبی صلى الله عليه وسلم لم يذكرهما ؛ من ذلك حديث ابن عباس ، وزيد بن خالد ، وعائشة ، فيما رواه عنهما عروة وعبد الله بن شقيق ، والقاسم ، واختلف فيه عن أبی سلمة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خلاصہ یہ کہ مستحب اور افضل طریقہ یہ ہے کہ عشاء کے بعد جتنے نوافل پڑھنا چاہے، وتر سے پہلے پڑھ لے، اور وتر آخر میں پڑھے، اس کے بعد نوافل نہ پڑھے، اگر پڑھ لے، تو جائز ہے، مگر نہ تو دو رکعت کی تخصیص ہے، اور نہ ہی ان نوافل کا وتر کے ساتھ تعلق ہے، بلکہ عام جائز اوقات کی طرح ہے (کذافی احسن الفتاوی ج۳ص۵۰۶)

اور نوافل کا بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے، لیکن اگر کھڑے ہونے میں کوئی عذر نہ ہو، تو قولی احادیث کی رُو سے بیٹھ کر پڑھنے میں کھڑے ہو کر پڑھنے کے مقابلہ میں آدھا ثواب ہے۔

(ملاحظہ ہو: ابنِ خزیمہ، حدیث نمبر ۱۲۳۶، مسند البزار، حدیث نمبر ۳۵۱۳، ابنِ ماجہ، حدیث نمبر ۱۲۳۰، كِتَابُ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ، وَالسُّنَّةُ فِيهَا، بَابُ صَلَاةُ الْقَاعِدِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ صَلَاةِ الْقَائِمِ، مسند احمد، حدیث نمبر ۱۲۳۹۵، شرح مشکل الآثار للطحاوی، تحت رقم حدیث ۱۶۹۴، بَابٌ بَيَانُ مُشْكِلِ مَا رُوِيَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ فِي كَيْفِيَّةِ الصَّلَاةِ الخ)

رہا آپ ﷺ کا بعض اوقات نوافل بیٹھ کر پڑھنا، تو اولاً تو بعض احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بیٹھ کر نوافل ضعف وتعب کی وجہ سے ادا فرمائی ہیں۔

دوسرے بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا عذر نوافل بیٹھ کر ادا کرنے کی صورت میں آدھا ثواب حاصل ہونے کے قاعدے سے آپ ﷺ مستثنیٰ تھے (کصوم الوصال) اور آپ کو بیٹھ کر نوافل ادا کرنے میں پورا ثواب ہی حاصل ہوتا تھا۔

جہاں تک دوسرے لوگوں کا تعلق ہے، تو ان کو بلا عذر بیٹھ کر نوافل پڑھنے کی صورت میں آدھا ثواب ہی حاصل ہوتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأكثر الصحابة ومن بعدهم من أهل العلم على تركهما .ووجه الجواز ، ما روى سعد بن هشام ، عن عائشة ، (أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلي من الليل تسع ركعات ، ثم يسلم تسليما يسمعنا ، ثم يصلي ركعتين بعدما يسلم ، وهو قاعد ، فتلك إحدى عشرة ركعة) . وقال (أبو سلمة :سألت عائشة عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت :كان يصلي ثلاث عشرة ركعة ، يصلي ثماني ركعات ، ثم يوتر ، ثم يصلي ركعتين وهو جالس ، فإذا أراد أن يركع قام فركع ثم يصلي ركعتين بين النداء والإقامة من صلاة الصبح) . رواهما مسلم .وروى ذلك أبو أمامة أيضا ، وأوصى بهما خالد بن معدان ، وكثير بن مرة الحضرمي ، وفعلهما الحسن ، فهذا وجه جوازهما (المغنى لابنِ قدامة، ج۳ص ۳۲۱)

[1] عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ :حُدِّثْتُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :صَلَاةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلَاةِ ، قَالَ :فَأَتَيْتُهُ، فَوَجَدْتُهُ يُصَلِّي جَالِسًا، فَوَضَعْتُ يَدِي عَلَى رَأْسِهِ، فَقَالَ :مَا لَكَ؟ يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو قُلْتُ :حُدِّثْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَنَّكَ قُلْتَ :صَلَاةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا عَلَى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس آج کل جو بعض لوگ بغیر کسی عذر کے وتروں کے بعد دو نفل بیٹھ کر پڑھنے کو سنت یا مستحب وافضل سمجھتے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نِصُفِ الصَّلَاةِ ، وَأَنْتَ تُصَلِّی قَاعِدًا، قَالَ :أَجَلُ، وَلَكِنِّی لَسُتُ كَأَحَدٍ مِنُكُمُ(مسلم، حدیث نمبر ۷۳۵)

عَنُ عَبُدِ اللهِ بُنِ عَمُرٍو، رَأَيُتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّی جَالِسًا قُلُتُ لَهُ حُدِّثُتُ أَنَّکَ تَقُولُ " :صَلَاةُ الُقَاعِدِ عَلَى نِصُفِ صَلَاةِ الُقَائِمِ "؟ قَالَ " :إِنِّی لَيُسَ كَمِثُلِكُمُ (مسند احمد، حدیث نمبر ۶۵۱۲)

إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين، غير هلال بن يساف، وأبى يحيى -وهو الأعرج، واسمه مصدع -فمن رجال مسلم (حاشيه مسند احمد)

عَنُ أَنَسٍ رَضِیَ اللَّهُ عَنُهُ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :لاَ تُوَاصِلُوا قَالُوا :إِنَّکَ تُوَاصِلُ، قَالَ :لَسُتُ كَأَحَدٍ مِنُكُمُ إِنِّی أُطُعَمُ، وَأُسُقَى، أَوُ إِنِّی أَبِيتُ أُطُعَمُ وَأُسُقَى(بخاری، حدیث نمبر ۱۹۶۱)

قال ابن حجر :ومحله فى غير نبينا صلى الله عليه وسلم، أما هو فمن خصائصه أن تطوعه غير قائم كهو قائما ;لأن الكسل مأمون فى حقه .قلت :كونه من الخصائص يحتاج إلى دليل آخر، وإلا فظاهر البشرية أنه يشارك نوعه، نعم هو مأمون من الكسل المانع عن العبادة المفروضة عليه، وأما أمنه من مطلق الكسل فمحل بحث مع أنه لا يلزم من عدم الكسل عدم الضعف والعذر أعم منهما ;إذ ثبت أنه تورمت قدماه من الصلاة فنزلت :(طه -ما أنزلنا عليک القرآن لتشقى) (طه2 - 1 :) ، أى :لتتعب، وقد روى الترمذى عن عائشة :أن النبى صلى الله عليه وسلم لم يمت حتى كان أكثر صلاته، أى النافلة وهو جالس ، وروى عنها أيضا أنه عليه الصلاة والسلام كان إذا لم يصل بالليل منعه من ذلک النوم، أو غلبته عيناه صلى من النهار اثنتى عشرة ركعة .وقد قال تعالى :(قل إنما أنا بشر مثلكم) (الكهف110 :) فلا بد للتخصيص من دليل قاطع وإلا فالأصل مشاركته عليه الصلاة والسلام مع أمته فى الأحكام، نعم الحديث الآتى فى أول الفصل الثالث يدل على اختصاصه بأن ثوابه لا ينقص، وهو يحتمل أنه أعم من أن يكون بعذر أو بغير عذر، ويحتمل أن يكون محمولا على أنه لم يصل قاعدا بغير عذر أبدا، فلا يكون مثل غيره ;لأن غيره قد يصلى قاعدا بغير عذر والله أعلم (مرقاة، جزء۳، صفحه ۹۳۶، كتاب الصلاة، باب القصد فى العمل)

(قلت :حدثت يا رسول الله) ، أى :حدثنى الناس (أنک قلت " :صلاة الرجل قاعدا على نصف الصلاة ") :وكذا هنا بلفظ " :على ") "وأنت تصلى قاعدا ") : ومن المعلوم أن أعمالک لا تكون إلا على وجه الأكمل وطريق الأفضل، فهل تحديثهم صحيح وله تأويل صريح أم لا؟ (قال " :أجل ") ، أى :نعم الحديث ثابت، أو نعم قد قلت ذلک ") .ولكنى لست كأحد منكم ") : يعنى هذا من خصوصياتى أن لا ينقص ثواب صلواتى على أى وجه تكون من جلواتى، وذلک فضل الله يؤتيه من يشاء ، قال تعالى :(وكان فضل الله عليک عظيما(مرقاة ج۳ص ۹۳۹، كتاب الصلاة، باب القصد فى العمل)

فإن قيل احتمال كونهما ركعتى الفجر بعيد، لأنه لم ينقل أنه صلى الرواتب جالساً .قلنا :قد ورد ما يدل على أن المراد بصلاتهما جالساً إنما هو حال القراء ة فيهما فقد أخرج ابن خزيمة فى) (صحيحه () من طريق يحيى بن أبى كثير عن أبى سلمة عن عائشة رضى الله عنها أنها سئلت عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت) :(كان يصلى ثلاث عشرة،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہیں، یہ دلائل کے لحاظ سے راجح نہیں ہے۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یصلی ثمان رکعات ثم یوتر ثم یصلی رکعتین وهو جالس فإذا أراد أن یرکع قام فرکع() وهذه الزیادة تقید الروایات المطلقة عن عائشة رضی الله عنها وهی صحیحة الإسناد فتعین المصیر إلی ما دلت علیه وذلک بحمل المطلق علی المقید.

وقد ثبت فی الصحیح أن النبی صلی الله علیه وسلم صلی النافلة قاعداً، وأنه قال لعبد الله بن عمرو لما سأله عن ذلک، وذکر له حدیث صلاة القاعد علی النصف من صلاة القائم قال) :(أجل ولکنی لست کأحدکم() فعرف أنه یختص بکون صلاته النافلة عن قعود یقع له ثوابها تاماً لا علی النصف کغیره ممن یصلی النافلة عن قعود بلا عذر، فلو حمل صلاة الرکعتین اللتین بعد الوتر جالساً فی جمیعها لم یقدح فی کونهما راتبة الفجر.

وقد جنح القرطبی فی)(المفهم() إلی أن المراد بالرکعتین اللتین صلاهما بعد الوتر رکعتا الفجر، قال:)(وقول عائشة رضی الله عنها)(ثم یصلی رکعتین بعدما یسلم معناه أنه کان یسلم من وتره وهو قاعد، وأرادت بذلک الإخبار بمشروعیة السلام، ولم ترد أنه صلی رکعتی الفجر فتهجد() انتهی، ولا یخفی تعسفه(کشف الستر عن حکم الصلاة بعد الوتر لابن حجر، ص ۷۴تا۷۶)

(قوله أجر غیر النبی -صلی الله علیه وسلم -) أما النبی -صلی الله علیه وسلم -فمن خصائصه أن نافلته قاعدا مع القدرة علی القیام کنافلته قائما؛ ففی صحیح مسلم عن عبد الله بن عمرو قلت :حدثت یا رسول الله أنک قلت :صلاة الرجل قاعدا علی نصف الصلاة وأنت تصلی قاعدا، قال :أجل، ولکنی لست کأحد منکم بحر ملخصا :أی لأنه تشریع لبیان الجواز؛ وهو واجب علیه(ردالمحتار، ج۲ ص۳۷، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

(وعن عائشة قالت :کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یوتر بواحدة) ، أی :مع شفع قبلها جمعا بینه وبین الأحادیث السالفة، (ثم یرکع) ، أی :یصلی (رکعتین یقرأ فیهما وهو جالس، فإذا أراد أن یرکع قام فرکع)
:قال ابن حجر :لا ینافی ما قبله ;لأنه کان تارة یصلیهما فی جلوس من غیر قیام، وتارة یقوم عند إرادة الرکوع اهـ .ولعله کان کله قبل قوله -علیه الصلاة والسلام " :اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وترا "أو فعله لبیان الجواز(مرقاة، ج۳ص۹۵۷، کتاب الصلاة، باب الوتر)

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے کہ:

اگر کھڑے ہوکر پڑھے گا تو پورا ثواب ہوگا، اور اگر بیٹھ کر پڑھے گا تو آدھا ثواب ملے گا، رسول اللہ ﷺ نے بعض مرتبہ بیٹھ کر پڑھے ہیں، مگر آپ کو بیٹھ کر پڑھنے میں بھی ثواب پورا ہوتا تھا (فتاویٰ رشیدیہ ص۳۷۱، مبوب بطرزِ جدید)

؎ اس حدیث سے بالتخصیص ان نوافل بعد الوتر میں قیام رسول اللہ ﷺ کا ثابت ہوا، رہا یہ کہ رکوع کے قبل جلوس فرماتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ قرأت طویل پڑھتے تھے، اور آخر عمر میں ضعف بڑھ گیا تھا، یہ جلوس اس عارض کی وجہ سے تھا، اور جب قربِ رکوع کا ہوتا تھا، چونکہ وہ عارض مرتفع ہوجاتا تھا تو پھر کھڑے ہوجاتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مقصود اصل میں قیام تھا، ورنہ جولوگ بیٹھ کر پڑھنے کو افضل کہتے ہیں، وہ اس قیام کے بھی قائل نہیں، اور روایتِ مذکورہ کا اطلاق بھی اس کا مؤید ہے، غرض عوام بلکہ خواص میں جو اس کے خلاف مشہور ہے، اس کی کوئی دلیل نہیں، اور بعض رسائل اردو فارسی میں جو لکھ دیا ہے، وہ کسی معتبر جگہ سے نقل نہیں کیا گیا (امداد الفتاویٰ جلد۱ صفحہ۳۰۵)

اور ابنِ ماجہ اور امام احمد نے ''کان یصلیہا وہو جالس'' ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

محمدرضوان ۷/ربیع الآ خر/۱۴۳۲ھ 13 /مارچ/2011ء بروزاتوار   ادارہ غفران، راولپنڈی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ جو روایت کی ہے، ہمارے نزدیک یہ جلوس تعبداً نہ تھا، بلکہ بوجہ تکان وغیرہ کے تھا، اور ''کان'' ہمیشہ استمرار کے لئے نہیں ہوتا، جو دوام ثابت ہو (امدادالاحکام جلد۱، صفحہ ۶۰۸)

یہ احادیثِ مبارکہ ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتی ہیں، لہٰذا اصولِ ترجیح کے مطابق اس قاعدہ کو واقعہ جزئیہ پر ترجیح ہوگی، نیز یہ احادیث قولی ہیں، اور قولی کی ترجیح فعلی پر مسلّم ہے، لہٰذا ان میں تخصیص کی بجائے یہ زیادہ بہتر ہے کہ فعلی احادیث کو بیانِ جواز پر محمول کیا جائے، بالخصوص جبکہ آخری حدیث میں یہ تصریح ہے کہ قعود میں بھی پورا ثواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، امت کے لئے وہی قاعدہ کلیہ ہے ''للقاعد نصف اجر القائم'' امام العصر حضرت گنگوہی اور حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرّہما کا بھی یہی فتویٰ ہے (فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۰۱، امدادالفتاویٰ ج ۱ ص ۳۰۳ تا ۳۰۵) حضرت مولانا محمد اسحاق کا بھی یہی مختار تھا'' کما فی ناشئۃ اللیل'' (حاشیہ فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۰۱) (اعدل الانظار فی الشفع بعد الایتار، مشمولہ: احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۵۰۷)

جائز دونوں طرح ہے، کھڑے ہوکر بھی، بیٹھ کر بھی، لیکن کھڑے ہوکر پڑھنے سے پورا ثواب ملتا ہے، اور بیٹھ کر پڑھنے سے اس کا نصف ثواب ملتا ہے، لہٰذا کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے (فتاویٰ محمودیہ مبوب جلد ۷ صفحہ ۲۲۹)

اِنسان کی تخلیق کا مقصد ہے عِبادت

(انیس احمد حنیف)

وہ، مُجھ پہ زمانے کو مہربان کرے ہے	صد شکر، مِرے گرد گلستان کرے ہے
دُکھ درد مِری رُوح کو پَروان کرے ہے	خوشیوں سے بپا جِسم میں اِک نشو و نُما ہے
بندے کا ہے کیا؟ جِس پہ بھَلا مان کرے ہے	سب کُچھ ہی عطا اُن کی ہے، توفیق بھی اُن کی
یہ بھُول ہے اِس کی، کہ یہ اِحسان کرے ہے	اِحسان کی توفیق بھی، اِحسان ہے اُن کا
جو شخص، کہ جِس چیز کا رُجحان کرے ہے	ہو خیر یا شر، پا ہی لِیا کرتا ہے منزِل
اور عِشقِ حقیقی، اِسے آسان کرے ہے	اِنسان کی تخلیق کا مقصد ہے عِبادت
دِل کو یہ خرافات ہی ویران کرے ہے	آوارگیِ چشم و زباں، راس کِسے ہے
دارین میں شاداں، یہی ایمان کرے ہے	کُچھ اِس کو بچا، اِس کو بنا، اِس کو بڑھا تُو
یہ کِبر تو، اِنسان کو شیطان کرے ہے	دِل میں نہ کہیں آئے کبھی اپنی بڑائی

جو میرے مُناسب، مِرا رَحمان کرے ہے
راضی ہُوں میں جی جان سے اُس حال میں یارو

کیا آپ جانتے ہیں؟ مفتی محمد رضوان

دلچسپ معلومات، مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

وتر کی نماز میں دعائے قنوت کا ثبوت اور اس کا طریقہ

سوال:...... احادیث کی رُو سے دعائے قنوت کون کون سی نماز میں پڑھنی چاہئے، اور وتر کی نماز میں دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھنی چاہئے، یا رکوع کے بعد، اور دعائے قنوت کے وقت میں ہاتھ اٹھانے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب:...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت کی دعا نہیں ہے، البتہ مخصوص حالات میں قنوتِ نازلہ پڑھی جاتی ہے، لیکن وتر کی نماز میں دعائے قنوت ہمیشہ پڑھنی چاہئے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ وتروں کی تیسری رکعت میں قرأت سے فارغ ہوکر تکبیر کہے، اور تکبیر کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ (تکبیر تحریمہ کی طرح) کانوں تک اٹھائے، پھر دعائے قنوت پڑھے، اور پھر دعائے قنوت سے فارغ ہوکر تکبیر کہتا ہوا رکوع میں جائے۔ [1]

حضرت عاصم فرماتے ہیں کہ:

سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنْ الْقُنُوتِ فَقَالَ قَدْ كَانَ الْقُنُوتُ قُلْتُ قَبْلَ الرُّكُوعِ أَوْ بَعْدَهُ قَالَ قَبْلَهُ قَالَ فَإِنَّ فُلَانًا أَخْبَرَنِي عَنْكَ أَنَّكَ قُلْتَ بَعْدَ الرُّكُوعِ فَقَالَ كَذَبَ إِنَّمَا قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوعِ شَهْرًا أُرَاهُ كَانَ بَعَثَ قَوْمًا يُقَالُ لَهُمْ الْقُرَّاءُ زُهَاءَ سَبْعِينَ رَجُلًا إِلَى قَوْمٍ مِنْ الْمُشْرِكِينَ دُونَ أُولَئِكَ وَكَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهْدٌ فَقَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا يَدْعُو عَلَيْهِمْ (صحيح بخاری قنوت قبل الركوع وبعده)

ترجمہ: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دعائے قنوت کے بارے میں سوال کیا تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ دعائے قنوت تو (شریعت

---

[1] وقال أبو حنيفة رحمه الله القنوت في الوتر قبل الركعة الثالثة إذا فرغ من السورة كبر ورفع يديه ثم خفضهما ثم دعا ثم كبر فلم يرفع يديه ثم ركع (الحجة على أهل المدينة)

میں) ہے، حضرت عاصم کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ رکوع سے پہلے ہے یا بعد میں؟ تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رکوع سے پہلے ہے۔

حضرت عاصم نے عرض کیا کہ فلاں شخص نے مجھے آپ کی طرف سے یہ خبر دی ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ دعائے قنوت رکوع کے بعد ہے؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس نے حقیقت کے خلاف بات کہی ہے، رسول اللہ ﷺ نے تو صرف ایک مہینہ تک رکوع کے بعد قنوت (نازلہ) پڑھا تھا۔

میرے علم کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے کچھ قراء حضرات کو، جن کی مقدار ستر کے قریب تھی مشرکین کی ایک قوم کی طرف بھیجا تھا، جنہوں نے ان کو قید کرلیا تھا، اوران کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان عہد تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینہ تک قنوت (نازلہ) پڑھا تھا، جس میں آپ ان کے لئے بددعا فرماتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَقْنُتُ إِلَّا أَنْ يَدْعُوَ لِقَوْمٍ عَلَى قَوْمٍ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَدْعُوَ عَلَى قَوْمٍ أَوْ يَدْعُوَ لِقَوْمٍ، قَنَتَ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ (صحيح ابن خزيمة، حديث نمبر ۱۰۹۷)

ترجمہ: نبی ﷺ قنوت (نازلہ) اسی وقت پڑھتے تھے، جب کچھ لوگوں کے لئے دعا اور کچھ لوگوں کے خلاف بددعا فرماتے تھے، پس جب کسی قوم کے لئے دعا یا بددعا کا ارادہ فرماتے، تو اس وقت قنوت (نازلہ) پڑھتے تھے، جبکہ فجر کی نماز کی دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے تھے (ترجمہ ختم)

اس حدیث میں جس قنوت کے ضرورت کے وقت میں فجر کی نماز میں پڑھنے کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے مراد قنوتِ نازلہ ہے، جو ضرورت کے وقت ہی پڑھنا چاہئے، ہمیشہ نہیں۔

اور جہاں تک وتر میں دعائے قنوت کا تعلق ہے، تو وہ ہمیشہ ہے۔

اور بعض روایات میں جو حضور ﷺ کا فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھنے کا ذکر ہے، تو وہ ضعیف السند اور مشہور احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں (ملاحظہ ہو: السلسلة الضعيفة للالباني، تحت حديث رقم ۱۲۳۸)

اورحضرت عبدالرحمٰن بن ابزی، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوتِرُ بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ، كَانَ يَقْرَأُ فِي الْأُولَى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ، وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، وَيَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوعِ (نسائی، حدیث نمبر ۱۶۹۹، کتاب قیام اللیل وتطوع النهار، واللفظ لهٗ، السنن الكبرىٰ للنسائی، حدیث نمبر ۱۰۵۰۲، سنن دارقطنی، حدیث نمبر ۱۶۵۹) ؎

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعات وتر پڑھا کرتے تھے، اور پہلی رکعت میں **سبح اسم ربک الاعلیٰ**، اوردوسری رکعت میں **قل یاایها الکٰفرون** اورتیسری رکعت میں **قل هوا لله احد** پڑھا کرتے تھے، اوررکوع سے پہلے قنوت پڑھا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اوربعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُوتِرُ ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ لَا يُسَلِّمُ فِيهِنَّ حَتَّى يَنْصَرِفَ، أَوَّلُ رَكْعَةٍ بِ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَالثَّانِيَةُ بِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ، وَالثَّالِثَةُ بِ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ، وَأَنَّهُ قَنَتَ قَبْلَ الرُّكُوعِ (شرح مشكل الآثار، حديث نمبر ۴۵۰۱، مسند الشاشی، حديث نمبر ۱۳۵۶)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعات وتر پڑھتے تھے، اوران کوختم کرنے سے پہلے سلام نہیں پھیرتے تھے، پہلی رکعت میں **سبح اسم ربک الاعلیٰ** اوردوسری رکعت میں **قل یا ایها الکفرون** اورتیسری رکعت میں **قل هوا لله احد** پڑھتے تھے، اوررکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے (ترجمہ ختم)

اورایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ يُوتِرُ فَيَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوعِ (ابن ماجه، حديث نمبر ۱۱۸۲ باسناد صحيح)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھا کرتے تھے، اوررکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اورحضرت حبیب بن ابی ثابت، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ: بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى

؎ حکم الالبانی: صحیح

Idara Ghufran

ثَـمَـانَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ أَوْتَرَ فَقَرَأَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، وَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَقَرَأَ فِي الثَّانِيَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، وَ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ، وَفِي الثَّـالِثَةِ بِفَـاتِحَةِ الْكِتَابِ، وَ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ، ثُمَّ قَنَتَ وَدَعَا، ثُمَّ رَكَعَ "(مشكل الآثـار لـلـحـطـاوی،حـديث نمبر ۴۵۰۲، باب بيان مشكل ما اختلف أهل العلم فيه من القنوت فی الوتر الخ ، واللفظ لهٗ، كتاب الحجة على اهل المدينة،باب عددالوتر)

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ کے پاس رات گزاری پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ نے آٹھ رکعت (تہجد کی) پڑھیں، پھر وتر کی نماز پڑھی، اور وتر کی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ اور سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھی اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ اور قل یاایھا الکافرون پڑھی، اور تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ اور قل ہواللہ احد پڑھی پھر آپ ﷺ نے دعائے قنوت پڑھا اور پھر رکوع کیا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوتِرُ بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ، وَيَجْعَلُ الْقُنُوتَ قَبْلَ الرُّكُوعِ(المعجم الأوسط للطبرانی، حديث نمبر ۷۸۸۵)

ترجمہ: نبی ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے، اور قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے (ترجمہ ختم)

یہ حدیث اگرچہ سند کے لحاظ سے ضعیف ہے، مگر دوسری احادیث کے مطابق ہونے کی وجہ سے اس کا ضعف قابلِ تحمل ہے۔

اور حضرت علقمہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ الـنَّبِـيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَقْنُتُ فِي الْوِتْرِ قَبْلَ الرُّكُوعِ (مصنف ابنِ ابی شيبة، كتاب الصلاة، واللفظ لهٗ، مصنف عبدالرزاق حديث نمبر ۴۹۹۲)

ترجمہ: نبی ﷺ وتر کی نماز میں دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور جلیل القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ:

عـن الاسـود قـال صـحبت عمر بن الخطاب رضی الله عنه ستة اشهر فكان يقنت فی الوتر قبل الركوع (كتاب الحجة على اهل المدينة، باب عدد الوتر)

ترجمہ: حضرت اسود فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ چھ مہینے رہا، وہ وتر کی نماز میں دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے (ترجمہ ختم)

اورحضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَلِيًّا "كَبَّرَ فِي الْقُنُوتِ حِينَ فَرَغَ مِنَ الْقِرَاءَةِ وَحِينَ رَكَعَ (شرح مشكل الآثار للطحاوى،بَابُ بَيَانِ مُشْكِلِ مَا اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِيهِ مِنَ الْقُنُوتِ فِي الْوِتْرِ، وَهَلْ هُوَ قَبْلَ الرُّكُوعِ أَوْ بَعْدَهُ ؟الخ)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرأت سے فارغ ہوکر قنوت میں تکبیر کہی،اور رکوع کے وقت بھی تکبیر کہی (ترجمہ ختم)

اورحضرت حارث سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَلِيٍّ ، أَنَّهُ كَانَ يَفْتَتِحُ الْقُنُوتَ بِالتَّكْبِيرِ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۷۱۱۳، كتاب الصلاة،فى التكبير فِي قُنُوتِ الْفَجْرِ مِنْ فِعْلِهِ)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ دعائے قنوت کوتکبیر کہہ کرشروع فرماتے تھے(ترجمہ ختم)

اوربھی کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے رکوع میں جانے سے پہلے دعائے قنوت کے وقت تکبیر کہنا ثابت ہے۔

معلوم ہوا کہ رکوع میں جانے سے پہلے دعائے قنوت کے لئے تکبیر کہنا چاہئے۔

اورحضرت اسود سے روایت ہے کہ:

كَانَ عَبْدُ اللهِ يَقْرَأُ فِي آخِرِ رَكْعَةٍ مِنَ الْوِتْرِ :قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ، ثُمَّ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فَيَقْنُتُ قَبْلَ الرَّكْعَةِ "(المعجم الكبير للطبرانى، حديث نمبر ۹۴۲۵ ،رفع اليدين للبخارى حديث نمبر ۹۱) [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وتر کی آخری رکعت میں قل ہواللہ احد کی قرأت کرتے تھے،پھر اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے،پھر رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے(ترجمہ ختم)

اورمصنف ابنِ ابی شیبہ میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ كَانَ إِذَا فَرَغَ مِنَ الْقِرَاءَةِ كَبَّرَ ثُمَّ قَنَتَ ، فَإِذَا فَرَغَ مِنَ الْقُنُوتِ كَبَّرَ ثُمَّ رَكَعَ(مُصنف ابن أبى شيبة،حديث نمبر ۷۰۲۱، كتاب الصلاة)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب قرأت سے فارغ ہوجاتے تھے،توتکبیر

---

[1] قال الهيثمى:رواه الطبرانى فى الكبير، وفيه ليث بن أبى سليم وهو مدلس وهو ثقة (مجمع الزوائد ج۲ص۲۴۳)

وقال البخارى:هذه الأحاديث كلها صحيحة(رفع اليدين للبخارى)

کہتے تھے، پھر قنوت پڑھتے تھے، پھر جب قنوت سے فارغ ہوجاتے تھے، تو تکبیر کہہ کر رکوع کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

عَنْ عَبْدِ اللهِ ؛ أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا قَنَتَ فِي الْوِتْرِ (مُصنف ابن أبی شيبة،حديث نمبر ۷۰۲۸، كتاب الصلاة،فِي رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي قُنُوتِ الْوِتْرِ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب وتر میں قنوت پڑھتے تھے، تو اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابراہیم نخعی، حضرت علقمہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ ، وَأَصْحَابَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم كَانُوا يَقْنُتُونَ فِي الْوِتْرِ قَبْلَ الرُّكُوعِ (مصنف ابنِ ابی شيبة، كتاب الصلاة،،مشكل الآثار للحطاوی، باب بيان مشكل ما اختلف أهل العلم فيه من القنوت فی الوتر الخ) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود اور نبی ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم وتر کی نماز میں دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے ہی روایت ہے کہ:

ان عبد الله بن مسعود كان يقنت السنة كلها فی الوتر قبل الركوع (كتاب الحجة على اهل المدينة، باب عدد الوتر)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پورے سال وتر کی نماز میں رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے ہی ایک روایت اس طرح ہے کہ:

أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الْوِتْرِ، ثُمَّ يُرْسِلُهُمَا بَعْدُ (مصنف عبد الرزاق،حديث نمبر ۷۹۵۲)

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ وتر میں اپنے ہاتھ اٹھاتے، پھر بعد میں چھوڑ دیتے تھے (ترجمہ ختم)

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ جلیل القدر تابعی ہیں، اور اُن کی یہ روایت اگرچہ مرسل ہے، مگر اولاً تو ان کی

---

[1] قال الالبانی: وهذا سند جيد وهو على شرط مسلم (ارواء الغليل)

Idara Ghufran

مرسل روایات معتبر ہیں، دوسرے بطورِ خاص بعض محدثین نے ان کی حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی مرسل احادیث کو صحیح قرار دیا ہے (تہذیب التہذیب، ج ا ص ۱۵۶)

اور حضرت ابوحمزہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّهُ :كَانَ يَقْنُتُ فِي الْوِتْرِ قَبْلَ الرُّكُوعِ، وَلَا يَقْنُتُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ (المعجم الكبير للطبرانی، حدیث نمبر ۹۴۳۲)

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ وتر کی نماز میں رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھا کرتے تھے، اور فجر کی نماز میں دعائے قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور امام طحاوی رحمہ اللہ، حضرت مسروق اور حضرت اسود اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے روایت کرتے ہیں کہ:

كَانَ عَبْدُ اللهِ "لَا يَقْنُتُ إِلَّا فِي الْوِتْرِ، وَكَانَ يَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوعِ، يُكَبِّرُ إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَتِهِ حِينَ يَقْنُتُ (شرح مشكل الآثار للطحاوی، بَابُ بَيَانِ مُشْكِلِ مَا اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِيهِ مِنَ الْقُنُوتِ فِي الْوِتْرِ، وَهَلْ هُوَ قَبْلَ الرُّكُوعِ أَوْ بَعْدَهُ ؟الخ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صرف وتر کی نماز میں ہی قنوت پڑھا کرتے تھے، اور وہ وتر کی نماز میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے، اور جب قرأت سے فارغ ہوجاتے، تو قنوت کے وقت تکبیر کہتے تھے (ترجمہ ختم)

مذکورہ احادیث وروایات مختلف سندوں سے ثابت ہیں، اس لئے بعض روایات کی سندوں میں کچھ ضعف ہونا نقصان دہ نہیں ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابنِ مسعود اور ابنِ عمر رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابۂ کرام کی احادیث اور ان کا اپنا عمل صرف اپنی عقل اور سمجھ کی بنیاد پر نہیں ہوگا، بلکہ انہوں نے حضور ﷺ سے سن کر یا دیکھ کر ہی اس عمل کو اختیار کیا ہوگا۔ اس لئے ان کا عمل بھی مرفوع حدیث کا درجہ رکھتا ہے۔

(كذافی: شرح مشكل الآثار للطحاوی، بَابُ بَيَانِ مُشْكِلِ مَا اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِيهِ مِنَ الْقُنُوتِ فِي الْوِتْرِ، وَهَلْ هُوَ قَبْلَ الرُّكُوعِ أَوْ بَعْدَهُ ؟الخ)

اور حضرت حماد سے روایت ہے کہ:

عن ابراهيم انه قال فی القنوت فی الوتر فی رمضان وغيره قبل الركوع فإذا اردت ان تقنت كبرت فإذا اردت ان تركع كبرت الركوع (كتاب الآثار لابی

یوسف، حدیث نمبر ۳۴۵)

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وتر میں دعائے قنوت رمضان اور غیر رمضان میں رکوع سے پہلے ہے، پس جب آپ دعائے قنوت پڑھنے کا ارادہ کریں، تو تکبیر کہیں، پھر جب آپ رکوع کرنے کا ارادہ کریں، تو رکوع کی تکبیر کہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت مغیرہ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَقْنُتَ ، فَكَبِّرْ لِلْقُنُوتِ ، وَكَبِّرْ إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَرْكَعَ .(مُصنف ابن أبی شیبة،حدیث نمبر ۷۰۲۲ وحدیث نمبر ۷۰۲۴،کتاب الصلاة،فِی التَّكْبِیرِ لِلْقُنُوتِ)

ترجمہ: جب آپ قنوت پڑھنا چاہیں، تو قنوت کے لئے تکبیر کہیں، اور جب آپ رکوع کرنا چاہیں، تو تکبیر کہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت مغیرہ سے ہی روایت ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

ارْفَعْ يَدَيْكَ لِلْقُنُوتِ (مُصنف ابن أبی شیبة،حدیث نمبر ،کتاب الصلاة،فِی رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِی قُنُوتِ الْوِتْرِ)

ترجمہ: تم قنوت کے لئے رفعِ یدین کرو (ترجمہ ختم)

اور حضرت امام محمد رحمہ اللہ، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے، اور وہ حضرت حماد رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

أَنَّ الْقُنُوتَ فِی الْوِتْرِ وَاجِبٌ فِی شَهْرِ رَمَضَانَ وَغَيْرِهِ قَبْلَ الرُّكُوعِ، فَإِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَقْنُتَ فَكَبِّرْ وَإِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَرْكَعَ فَكَبِّرْ أَيْضًا (کتاب الآثار لمحمد بن الحسن، حدیث نمبر ۲۱۲، واللفظ لہٗ،کتاب الحجة علی أهل المدینة،بَاب عدد الْوتر)

ترجمہ: وتر کی نماز میں رکوع سے پہلے قنوت واجب ہے، رمضان کے مہینے میں اور غیر رمضان کے مہینے میں، پس جب آپ قنوت پڑھنا چاہیں، تو تکبیر کہیں، اور جب رکوع کرنا چاہیں، تو بھی (رکوع میں جانے کی) تکبیر کہیں (ترجمہ ختم)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَبِهِ نَأْخُذُ .وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ فِی التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى قَبْلَ الْقُنُوتِ كَمَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِی افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ ثُمَّ يَضَعُهُمَا، وَيَدْعُو .وَهُوَ قَوْلُ أَبِی حَنِيفَةَ (کتاب الآثار لمحمد بن الحسن، حدیث نمبر ۲۱۲)

Idara Ghufran

ترجمہ: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، اور قنوت سے پہلے کی تکبیر کہتے وقت اپنے ہاتھوں کو اس طرح اٹھائے، جس طرح نماز کے شروع میں اٹھاتا ہے، پھر ہاتھوں کو اپنی جگہ رکھ لے، اور دعائے قنوت پڑھے، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے (ترجمہ ختم)

اور جلیل القدر محدث امام شعبہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

سَـمِعْتُ الْحَكَمَ ، وَحَمَّادًا ، وَأَبَا إِسْحَاقَ ، يَقُولُونَ فِي قُنُوتِ الْوِتْرِ :إِذَا فَرَغَ كَبَّرَ ، ثُمَّ قَنَتَ(مُصنف ابن أبي شيبة،حديث نمبر ۷۰۲۵، كتاب الصلاة)

ترجمہ: میں نے حضرت حکم اور حضرت حماد اور حضرت ابواسحاق سے سنا، وہ قنوتِ وتر کے بارے میں فرماتے تھے کہ جب (قرأت سے) فارغ ہوجائے، تو تکبیر کہے، پھر قنوت پڑھے (ترجمہ ختم)

ان احادیث وروایات سے حضور ﷺ، جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام سے وتر کی نماز میں دعائے قنوت کا رکوع سے پہلے پڑھنا اور قنوت کے شروع میں تکبیر کہنا اور ہاتھ اٹھانا ثابت ہوا۔ [1]

اور رکوع سے پہلے دعائے قنوت کے وقت میں جو تکبیر کہی جاتی ہے، وہ حنفیہ کے نزدیک دعائے قنوت کے افتتاح اور ایک عمل سے دوسرے عمل کی طرف منتقل ہونے کے لئے ہے، اس لئے اس تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانے کی وہی کیفیت ہوگی، جو تکبیرِ تحریمہ کے وقت میں ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] والخلاصة أن الصحيح الثابت عن الصحابة هو القنوت قبل الركوع فى الوتر وهو الموافق الحديث الآتى .ثم وجدت له طريقا أخرى أخرجه الطبرانى فى "الكبير "(3 / 27 / 1 و 34/ 2) عن عبد الرحمن بن الأسود عن أبيه قال " :كان عبد الله لا يقنت فى شء من الصلوات إلا فى الوتر قبل الركعة . " وسنده صحيح(إرواء الغليل فى تخريج أحاديث منار السبيل للالبانى، تحت حديث رقم)

[2] حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ سُلَيْمَانَ ,عَنْ أَبِيهِ ,عَنْ أَبِى يُوسُفَ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ عَنْ أَبِى حَنِيفَةَ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ ,عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِىِّ قَالَ " :تُرْفَعُ الْأَيْدِى فِى سَبْعِ مَوَاطِنَ :فِى افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ , وَفِى التَّكْبِيرِ لِلْقُنُوتِ فِى الْوِتْرِ ,وَفِى الْعِيدَيْنِ ,وَعِنْدَ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ ,وَعَلَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ,وَبِجُمَعٍ وَعَرَفَاتٍ ,وَعِنْدَ الْمَقَامَيْنِ عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ "قَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ :فَأَمَّا فِى افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ فِى الْعِيدَيْنِ , وَفِى الْوِتْرِ ,وَعِنْدَ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ ,فَيَجْعَلُ ظَهْرَ كَفَّيْهِ إِلَى وَجْهِهِ ,وَأَمَّا فِى الثَّلَاثِ الْأُخَرِ ,فَيَسْتَقْبِلُ بِبَاطِنِ كَفَّيْهِ وَجْهَهُ فَأَمَّا مَا ذَكَرْنَا فِى افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ ,فَقَدِ اتَّفَقَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى ذَلِكَ جَمِيعًا وَأَمَّا التَّكْبِيرَةُ فِى الْقُنُوتِ فِى الْوِتْرِ ,فَإِنَّهَا تَكْبِيرَةٌ زَائِدَةٌ فِى تِلْكَ الصَّلَاةِ ,وَقَدْ أَجْمَعَ الَّذِينَ يَقْنُتُونَ قَبْلَ الرُّكُوعِ عَلَى الرَّفْعِ مَعَهَا فَالنَّظَرُ عَلَى ذَلِكَ ,أَنْ يَكُونَ كَذَلِكَ كُلُّ تَكْبِيرَةٍ زَائِدَةٍ فِى كُلِّ صَلَاةٍ ,فَتَكْبِيرُ الْعِيدَيْنِ الزَّائِدُ فِيهَا عَلَى سَائِرِ الصَّلَاةِ ,كَذَلِكَ أَيْضًا وَأَمَّا عِنْدَ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ ,فَإِنَّ ذَلِكَ جُعِلَ تَكْبِيرًا يُفْتَتَحُ بِهِ الطَّوَافُ ,كَمَا يُفْتَتَحُ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

حضرت خالد بن ابی عمران سے مرسلاً روایت ہے کہ:

بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدْعُوْ عَلٰى مُضَرَ إِذْ جَاءَهُ جِبْرِيْلُ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَنِ اسْكُتْ ، فَسَكَتَ فَقَالَ :يَا مُحَمَّدُ إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَبْعَثْكَ سَبَّابًا وَلَا لَعَّانًا ، وَإِنَّمَا بَعَثَكَ رَحْمَةً ، وَلَمْ يَبْعَثْكَ عَذَابًا لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ ، ثُمَّ عَلَّمَهُ هٰذَا الْقُنُوْتَ :اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ ، وَنُؤْمِنُ بِكَ ، وَنَخْضَعُ لَكَ ، وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّكْفُرُكَ ،اَللّٰهُمَّ إِيَّاكَ نَعْبُدُ ، وَلَكَ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ ، وَإِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ ، نَرْجُوْ رَحْمَتَكَ وَنَخَافُ عَذَابَكَ الْجِدَّ ، إِنَّ عَذَابَكَ بِالْكَافِرِيْنَ مُلْحِقٌ(سنن البیهقی) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بِالتَّكْبِيرِ الصَّلَاةُ وَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْضًا(شرح معانی الآثار،تحت حدیث رقم ۳۸۲۵،بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ رُؤْيَةِ الْبَيْتِ)

(وإذا أراد أن يقنت كبر) ش :يعنى مصلى الوتر إذا فرغ من القراء ة فى الركعة الثالثة كبر، خلافا لبعض أصحاب الشافعى .وقال أحمد :إذا قنت قبل الركوع كبر ثم أخذ فى القنوت .قال فى "المغنى "لابن قدامة، وقد روى عن عمر -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ -أنه كان إذا فرغ من القراء ة كبر، ومن يقنت بعد الركوع يكبر حين يركع، ونقل عن المزنى أنه قال :زاد أبو حنيفة تكبيرة فى القنوات لم تثبت فى السنة ولا دل عليها قياسه، وقال أبو نصر الأقطع :هذا خطأ منه، فإن ذلك روى عن على وابن عمر والبراء بن عازب -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ -والقياس يدل عليه أيضا، وأشار إليه المصنف بقوله م :(لأن الحالة قد اختلفت) ش :أى لأن حالة المصلى قد اختلفت؛ لأنه كان فى حالة قراء ة القرآن ثم ينتقل إلى حالة قراء ة القنوت والحالتان مختلفتان، والتكبير فى الصلاة عند اختلاف الحالة مشروع كما فى حال الانتقال من القيام إلى الركوع ومن القومة إلى السجود.فإن قلت :كان ينبغى أن يكبر بين الثناء والقراء ة لاختلاف الحالة .قلت :الثناء مكمل للتكبير؛ لأنه يجانسه لكونه ثناء ، وأما القنوت فواجب فيفرد بحكم على حدة، ولأن رفع اليد ثبت بالحديث الذى يأتى الآن وأنه غير مشروع بلا تكبير كما فى تكبيرة الافتتاح وتكبيرات العيدين(البناية شرح الهداية،باب صلاة الوتر)

[1] حدیث نمبر ۳۲۶۷،باب دُعَاءِ الْقُنُوتِ،الدعوات الکبیر للبیهقی حدیث نمبر ۳۶۳،مراسیل ابی داوٗد حدیث نمبر ۸۶.مرسل ورجالهٗ موثقون(روضة المحدثین ،تحت حدیث رقم ۵۲۹۳)

وفیه عبدالقاهر ذکره ابن حبان فی الثقات کمافی التهذیب (۶: ۳۶۸)وخالد بن ابی عمران من الطبقة الصغریٰ من التابعین ، فالامر مرسل ، وقال الحازمی فی الاعتبار (ص-۹۰)اخرجه ابوداوٗد فی المراسیل ، وهو حسن فی المتابعات اهـ(متن اعلاء السنن ج۶ص۱۰۷ ، اخفاء القنوت فی الوتر والفاظه وحکم القنوت فی الفجر)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ مضر قبیلہ کے خلاف بددعا فرما رہے تھے کہ اچانک جبریل علیہ السلام تشریف لائے، اور نبی ﷺ کی طرف اشارہ کیا کہ خاموش ہوجائیں، تو نبی ﷺ خاموش ہوگئے، پھر حضرت جبریل نے کہا کہ اے محمد! بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کولعن طعن کرنے والا بنا کرنہیں بھیجا، بلکہ آپ کورحمت کا ذریعہ بنا کرمبعوث فرمایا ہے، اور آپ کوعذاب کا ذریعہ بنا کر مبعوث نہیں فرمایا، تمہیں کوئی دخل نہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان پر یا تو متوجہ ہوجائیں، یا ان کوکوئی سزادیں، پس بے شک یہ لوگ ظالم ہیں۔

پھر حضرت جبریل نے حضور ﷺ کو یہ قنوت (جو کہ آج کل عام طور پر وتروں میں پڑھا جاتا ہے) سکھلایا:

اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِيْنُکَ وَنَسْتَغْفِرُکَ ، وَنُؤْمِنُ بِکَ ، وَنَخْضَعُ لَکَ ، وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ يَّکْفُرُکَ ،اَللّٰهُمَّ إِيَّاکَ نَعْبُدُ ، وَلَکَ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ ، وَإِلَيْکَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ ، نَرْجُوْ رَحْمَتَکَ وَنَخَافُ عَذَابَکَ الْجِدَّ ، إِنَّ عَذَابَکَ بِالْکَافِرِيْنَ مُلْحِقٌ.

(جس کا ترجمہ یہ ہے) اے اللہ! ہم آپ سے مدد طلب کرتے ہیں، اور آپ سے گناہوں کی معافی کی درخواست کرتے ہیں، اور آپ پر ایمان لاتے ہیں، اور آپ کی تابعداری اختیار کرتے ہیں، اور جو آپ کا انکار کرے، ہم اس سے الگ ہوتے اور اس کو چھوڑتے ہیں، اے اللہ! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، اور آپ ہی کے لئے نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے ہیں، اور آپ ہی کی طرف سعی کرتے اور جلدی کرتے ہیں، اور آپ کی رحمت کی امید کرتے ہیں، اور آپ کے سخت عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک آپ کا عذاب کافروں کو پہنچنے والا ہے (ترجمہ ختم)

ممکن ہے کہ آپ ﷺ قبیلۂ مضر کے خلاف یہ جو دعا فرما رہے تھے، یہ اس وقت کی بات ہو، جبکہ وہ نازلہ ختم ہوگیا ہو، اس لئے آپ کو منع کیا گیا، اور آئندہ ہمیشہ کے لیے دعائے قنوت کو وتروں کے لیے مقرر کیا گیا، کیونکہ قنوتِ نازلہ کا حکم عام حالات میں نہیں ہے، بلکہ مخصوص حالات میں ہے، اور وتروں میں دعائے قنوت ہمیشہ کے لیے ہے۔ بعض روایات میں کچھ کم وبیش الفاظ اور بعض روایات میں دوسری دعاؤں کا ذکر ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد رضوان۔ ۱۵/ ربیع الآخر ۱۴۳۲ھ 21 / مارچ/ 2011ء

عبرت کدہ ﴿اِنَّ فِیۡ ذَالِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَ بۡصَارِ﴾ ابوجویریہ

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

حضرت یوسف علیہ السلام (قسط۹)

حضرت یوسف علیہ السلام کا قافلہ کے ہاتھ لگنا

اِدھر حضرت یوسف علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام اور برادرانِ یوسف کے درمیان یہ گفتگو ہورہی تھی کہ یوسف کو بھیڑیئے نے کھالیا ہے، اور یہ اس کا خون آلود کرتہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

اُدھر حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ یہ قصہ پیش آیا کہ حجازی اسماعیلیوں (مدیانیوں) کا ایک قافلہ شام سے مصر سامانِ تجارت لئے جارہا تھا، اور یہ راستہ بھول کر اس غیر آباد جنگل میں پہنچ گیا، اور کنواں دیکھ کر پانی لانے والے کو کنویں پر بھیجا، اس نے پانی کے لئے ڈول ڈالا، حضرت یوسف علیہ السلام کنویں کے اندر یہ سمجھے کہ شاید بھائیوں کو رحم آ گیا، ڈول پکڑ کر لٹک گئے، تاجر نے ڈول نکالا، تو یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر جوش سے شور مچایا کہ خوشخبری ہے، ایک غلام ہاتھ لگ گیا ہے۔

اس آدمی کا نام بعض تفسیری روایات میں مالک بن ذعر خزاعی یا مالک بن دعر بتلایا جاتا ہے۔ [1]

شروع میں مالک بن ذعر نے تعجب سے یہ آواز لگائی، لیکن بعد میں معاملہ پر غور کر کے یہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس معاملہ کا چرچا نہ کیا جائے، بلکہ اس لڑکے کو چھپا کر رکھنا چاہئے، تاکہ اس کو فروخت کر کے رقم وصول ہوجائے، اور اگر سارے قافلہ میں چرچا کردیا، تو پھر اس کی قیمت میں سارا قافلہ شریک ہوجائے گا۔ [2]

---

[1] فَأَرۡسَلُوا إليـه وارِدَهُـمۡ الذى يرد الماء ويستقى لهم وكان ذلک مالک بن ذعر الخزاعى(تفسير روح المعانى ،تحت آيت ۱۹ من سورة يوسف)

قوله تعالى :(وَجاءَتۡ سَيَّارَةٌ) أى رفقة مارة يسيرون من الشام إلى مصر فأخطئوا الطريق وهاموا حتى نزلوا قريبا من الجب، وكان الجب فى قفرة بعيدة من العمران، إنما هو للرعاة والمجتاز، وكان ماؤه ملحا فعذب حين ألقى فيه يوسف .(فَأَرۡسَلُوا وارِدَهُمۡ) فذكر على المعنى، ولو قال :فأرسلت واردها لكان على اللفظ، مثل "وَجاءَتۡ ."والوارد الذى يرد الماء يستقى للقوم، وكان اسمه -فيما ذكر المفسرون -مالک بن دعر (تفسير القرطبى، تحت آيت ۱۹ من سورة يوسف)

[2] اور بعض مفسرین نے یہاں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے واقعہ کی حقیقت کو چھپا کر ان کو مالِ تجارت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قرآن مجید میں اس واقعہ کے پسِ منظر کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:

وَجَاءَ تْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَه قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ (سورة يوسف آيت ۱۹)

یعنی ''(اب اللہ تعالیٰ کی شان دیکھو) کہ اس (کنوئیں) کے قریب ایک قافلہ آیا، اور انہوں نے (پانی کے لئے) اپنا آدمی بھیجا، اس نے کنویں میں ڈول لٹکایا (تو یوسف اس سے لٹک گئے) وہ بولا خوشخبری ہو یہ تو (نہایت حسین) لڑکا ہے۔ اور اس کو قیمتی سرمایہ سمجھ کر چھپا لیا، اور جو کچھ وہ کرتے تھے اللہ کو سب معلوم تھا۔

آیت کے آخر میں جو یہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی ساری کارگزاریاں معلوم تھیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب معلوم تھا کہ برادرانِ یوسف کیا کریں گے، اور قافلے والے کیا کریں گے، اور وہ اس پر پوری قدرت رکھتے تھے کہ ان سب کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیں، لیکن تکوینی حکمتوں کے تحت اللہ تعالیٰ نے ان کے سب منصوبوں کو چلنے دیا۔ [1]

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ (سورة يوسف آيت ۲۰)

ترجمہ: اور (پھر) انہوں نے اسے بہت کم داموں (یعنی) گنتی کے چند درہم میں فروخت کر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کا حصہ بنالیا، جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ یہودا روزانہ یوسف علیہ السلام کو کنویں میں کھانا پہنچانے کے لئے جاتا تھا، تیسرے روز جب ان کو کنویں میں نہ پایا تو واپس آکر بھائیوں سے واقعہ بیان کیا، یہ سب بھائی جمع ہو کر وہاں پہنچے، تحقیق کرنے پر قافلہ والوں کے پاس سے یوسف علیہ السلام برآمد ہوئے، تو ان سے کہا کہ یہ لڑکا ہمارا غلام ہے، بھاگ کر یہاں آ گیا ہے، تم نے بہت برا کیا کہ اس کو اپنے قبضہ میں رکھا، مالک بن ذعر اور ان کے ساتھ سہم گئے کہ ہم چور سمجھے جائیں گے، اس لئے بھائیوں سے ان کے خریدنے کی بات چیت ہونے لگی۔ مگر صاحبِ قصص القرآن کے بقول اس قول کی نہ تورات موافقت کرتی ہے، اور نہ قرآن مجید، بلکہ دونوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قافلہ والوں نے ہی یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکالا اور اپنا غلام بنالیا۔

بہرحال جس قول کو بھی لیا جائے، نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام غلام بنا کر فروخت ہوتے ہوتے مصر پہنچ گئے، جیسا کہ آنے والی تفصیل سے واضح ہوگا۔

[1] وقوله :(وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ) أى :يعلم ما يفعله إخوة يوسف ومشتروه، وهو قادر على تغيير ذلک ودفعه، ولكن له حكمة وقَدرَ سابق، فترک ذلک ليمضى ما قدره وقضاه، ألا له الخلق والأمر، تبارک الله رب العالمين(تفسير ابنِ كثير ، تحت آيت ۱۹ من سورة يوسف)

دیا اور وہ اس معاملے میں (کچھ زیادہ قیمت کے) خواہش مند نہ تھے۔

مطلب یہ ہے کہ قافلہ والوں نے ان کو بہت تھوڑی قیمت کے بدلے میں فروخت کر دیا۔

عام لوگوں کی نظر میں یہ اتفاقی واقعہ تھا کہ شامی قافلہ راستہ بھول کر یہاں پہنچا، اور غیر آباد کنویں سے سابقہ پڑا، لیکن کائنات کے راز جاننے والا یہ جانتا ہے کہ یہ سب واقعات ایک مربوط اور مستحکم نظام کی ملی ہوئی کڑیاں ہیں، یوسف کا پیدا کرنا، اور اس کی حفاظت کرنے والا ہی قافلہ کو راستہ سے ہٹا کر یہاں لاتا ہے، اور اس کے آدمیوں کو اس غیر آباد کنویں پر بھیجتا ہے۔

پھر حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کا یہ پہلو اپنے اندر کیسی عظمتیں چھپائے ہوئے ہے، اس کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے، جو چشمِ بصیرت رکھتا ہو، چھوٹی سی عمر ہے، والدہ کا انتقال ہو چکا ہے، باپ کی آغوشِ محبت تھی، وہ بھی چھوٹ گئی، وطن بھی چھوٹ گیا، بھائیوں نے بے وفائی کی، آزادی کی جگہ غلامی نصیب ہوئی، مگر ان تمام باتوں کے باوجود نہ شور، نہ واویلا، نہ جزع فزع، قسمت پر شاکر، مصائب پر صابر، اور اللہ کے فیصلہ پر راضی بہ رضا، سر نیازِ خم کئے مصر کے بازار میں فروخت ہونے جا رہے ہیں۔ (جاری ہے......)

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۹۵ "اخبارِ عالم"﴾

ھ **12 / مارچ: جاپان**: زلزلے کے بعد سونامی نے تباہی مچادی، ہزاروں ہلاک ولاپتا، ریکٹر اسکیل پر شدت 8.9 ریکارڈ ھ پاکستان کا بیلسٹک میزائل حتف II کا تجربہ کامیاب، جواب میں بھارت نے بھی دو داغ دیے ھ **13 / مارچ: پاکستان**: صدر وزیر اعظم کی موجودگی کے باوجود کراچی میں 10 افراد قتل، سخت کشیدگی کاروبار بند خوف و ہراس ھ **جاپان**: فوکوشیما ایٹمی پلانٹ سے تابکاری کا اخراج، زلزلے میں ہلاکتیں ڈھائی ہزار سے متجاوز ھ **14 / مارچ: جاپان**: ایٹمی تابکاری خطرناک حد تک بڑھ گئی، 6.3 شدت کے آفٹر شاکس، متاثرین امداد کے منتظر، تیسرے پلانٹ کے پھٹنے کا خدشہ ھ **15 / مارچ: جاپان**: ساحلی علاقے سے 2 ہزار لاشیں برآمد، 25 لاکھ امداد کے منتظر ھ **16 / مارچ: پاکستان**: حج انتظامات میں کرپشن، حامد کاظمی کمرہ عدالت سے گرفتار ھ بحرین میں مارشل لاء نافذ، مظاہرین کی فائرنگ سے سعودی فوجی جاں بحق، ایران سے سفیر کو واپس بلا لیا گیا ھ **17 / مارچ: پاکستان**: دو پاکستانیوں کا قاتل: ریمنڈ، دیت کی ادائیگی پر رہا، مقتولین کے ورثاء غائب، گھروں پر تالے ھ **18 / مارچ: پاکستان**: شمالی وزیرستان، جرگے پر امریکی حملہ، 45 افراد شہید ھ **19 / مارچ: لیبیا**: سلامتی کونسل نے لیبیا پر نو فلائی زون بنانے اور فضائی حملوں کی منظوری دے دی ھ **20 / مارچ: پاکستان**: سیالکوٹ میں طوفانی آندھی نے تباہی مچادی 20 افراد جاں بحق، درجنوں مکانات منہدم ھ لیبیا کے خلاف فوجی کاروائی شروع، فرانس کا فضائی اور امریکا کا میزائل حملہ۔

طب وصحت

مفتی محمد رضوان

کھجور کے فوائد وخواص (قسط۱)

کھجور کو عربی زبان میں ''رُطب'' اور ''تمر'' فارسی میں ''خرما'' اور انگریزی زبان میں ''Date'' کہا جاتا ہے۔

اطباء نے کھجور کا مزاج گرم (دوسرے درجہ میں) اور تَر (پہلے درجہ میں) قرار دیا ہے، اور کھجور سے مراد وہ کھجور ہے، جو کہ پک کر تیار ہوچکی ہو۔ ۱

اور اطباء نے سرکہ، سکنجبین، انار کا رس، بادام یا روغنِ بادام، خشخاش، سیاہ مرچ کو اس کا مصلح (یعنی اس کے مضِر اثرات کو توڑنے والا) قرار دیا ہے۔ ۲

اطباء نے کھجور کو غذائیت سے بھرپور (اور غذی، اعصابی، ملیّن) قرار دیا ہے، اور کھجور چونکہ ایک پھل اور میوہ ہے، اس لئے اس میں جزوِ بدن بننے کی خوب استعداد پائی جاتی ہے، اور اسی وجہ سے اس کا فُضلہ بھی برائے نام بنتا ہے۔ اور بعض اطباء نے کھجور کو بادام کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ ۳

کھجور میں حرارت ورطوبتِ غریزی کو پیدا کرنے کی بھرپور تاثیر موجود ہے، اور جن لوگوں کے جسموں میں یہ دونوں چیزیں وافر مقدار میں موجود ہوں، ایسے لوگ صحت مند، بہادر، جفاکش شمار ہوتے ہیں۔

اطباء نے کھجور کو مسمنِ بدن (بدن کو موٹا کرنے والی) محرکِ جگر (جگر کے نظام کو تیز کرنے والی) مقویِ معدہ ودماغ (معدہ ودماغ کو قوت بخشنے والی) محرکِ اعصاب (اعصاب کو متحرک کرنے والی) اور مفرحِ قلب (دل کو فرحت وتازگی بخشنے والی) اور سِل ودق (ٹی۔بی) اور فالج اور لقوہ کی بیماری کے لئے نفع بخش اور بطورِ خاص دبلے پتلے لوگوں کے لئے مفید قرار دیا ہے۔

کھجور کے محرکِ جگر ہونے کی وجہ سے اس کے ذریعہ سے جسم میں خون بہتر طریقہ سے پیدا ہوتا ہے، نیز

---

۱ الطب النبوی لابن القیم ، فصل :فی ذکر شیء من الأدویة والأغذیة المفردة التی جاء ت علی لسانه صلی اللہ علیه وسلم مرتبة علی حروف المعجم، حرف الراء.

۲ بستان المفردات ص۱۲۴، کتاب المفردات ص۳۸۴، ماہنامہ التبلیغ، ج۳ شمارہ۸ ص۹۵، ستمبر 2006ء، مضمون: حکیم محمد فیضان صاحب۔

۳ کھجور میں 60 فیصد گلوکوز کے علاوہ Sucrose، Pectin Cellulose، Taninnin چربی اور اسٹارچ بھی مختلف مقدار میں موجود ہیں، جب کہ وٹامن B2. A.B اور C بھی پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے معدنی اجزاء مثلاً سوڈیم، کیلشیم، سلفر، کلورین، فاسفورس، اور آئرن بھی اس میں موجود ہیں (ماہنامہ التبلیغ، ج۳ شمارہ۸ ص۹۴، ستمبر 2006ء، مضمون: حکیم محمد فیضان صاحب)

Idara Ghufran

اس کو اطباء نے ہاضم بھی قرار دیا ہے، لہٰذا یہ کھانے کے بعد بھی مفید ہے، اور مخصوص مردانہ قوت کے لئے بھی مفید قرار دیا ہے، جن لوگوں کے مزاج بارد (ٹھنڈے) ہوں، ان کے لئے کھجور بطورِ خاص مفید ہے، اور اسی وجہ سے یہ امراضِ بارِدہ (ٹھنڈے وبلغمی امراض جیسے لقوہ، فالج وغیرہ) میں مفید ہے، اور جسم سے فاضل بلغم کو ختم کرتی ہے، اور سینہ اور پھیپھڑوں کو طاقت بخشتی ہے، نیز صفراء اور تیزابیت کو ختم کرتی ہے۔

اس طرح کھجور میں بیک وقت پھل، غذا، دوا، حلوہ اور بہترین مشروب (ٹانک) کی صلاحیت موجود ہے۔

تازہ تحقیق کے مطابق کھجور بچوں کو دودھ میں ڈال کر ابالنے کے بعد پلائی جائے تو بچوں کو توانائی حاصل ہوتی ہے۔

رات کے وقت چند کھجوروں کو پانی میں بھگو کر رکھیں اور صبح نہار منہ اسی پانی میں کھجوروں کو مسل کر ہفتہ میں دوبار استعمال کریں تو یہ دل کی توانائی کے لئے مؤثر ٹانک ثابت ہوتا ہے، اور اس کے ذریعہ سے قبض ٹوٹ جاتا ہے۔

کھجور کا دودھ کے ساتھ کھانا بھی انتہائی مفید اور طاقت آور ہے۔

بچے کی ولادت کے وقت زچّہ کو کھجور کھانا، اور بچہ کو کھجور کی تحنیک کرانا بھی مفید ہے۔

مٹھی بھر کھجوریں بکری کے تازہ دودھ میں بھگو کر اگلی صبح اسی دودھ میں کچل مسل کر شہد اور سبز الائچی ملا کر استعمال کرنے سے اعضائے مادہ تولید کی کارکردگی بڑھتی ہے۔ حتیٰ کہ اس سے بانجھ پن تک بھی دور ہوجاتا ہے۔[۱]

عجوہ کھجور کی گٹھلی دل کے امراض کے لئے مفید ہے، جس کا آگے ذکر آتا ہے۔

کھجور کی گٹھلی دستوں کو بند کرتی ہے، اور اس کی جلی ہوئی گٹھلی خون بہنے کو بند کرتی ہے، زخموں کو صاف کرتی ہے، اور اس کا منجن دانتوں کو صاف اور منہ کی بدبو کو دور کرتا ہے۔[۲]

چھوارہ، نیم پختہ اور کچی کھجور

کھجور کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے کہ اس کا مزاج گرم اور تر ہے۔

جہاں تک چھوارے کا تعلق ہے تو بعض اطباء نے چھوارے کا مزاج کھجور کی طرح گرم اور تَر قرار دیا ہے، لہٰذا ان کے نزدیک چھوارے کی تاثیر کھجور کے قریب قریب ہوگی۔

لیکن بعض اطباء نے چھوارے کا مزاج کھجور سے مختلف قرار دیا ہے، اور ان کا کہنا یہ ہے کہ چھوارے کا مزاج کھجور کی طرح تَر نہیں ہے، بلکہ خشک (عضلاتی غدی) ہے۔ اور چھوارہ محرکِ عضلات، محللِ اعصاب اور مسکن

---

۱ تحقیقات خواص المفردات، المعروف خواص الاشیاء، حصہ دوم "غدی" مؤلفہ: حکیم محمد یاسین، ص ۲۸۷، ۲۸۸۔ کتاب المفردات المعروف بہ خواص الادویہ، مؤلفہ: حکیم مظفر حسین اعوان، ص ۳۸۴۔ ماہنامہ التبلیغ، ج ۳ شمارہ ۸ ص ۹۳ تا ۹۵، ستمبر 2006ء، مضمون: حکیم محمد فیضان صاحب۔

۲ کتاب المفردات المعروف بہ خواص الادویہ، مؤلفہ: حکیم مظفر حسین اعوان، ص ۳۸۴۔

اورمقویٔ جگر ہے،حابس وقابض ہونے کی وجہ سے جسم کی رطوبات کوخشک کرکے حرارتِ غریزی کی پیدائش بڑھاتا ہے،کثیر الغذاء ہے،اس کے ذریعہ سے خون پیدا ہوتا ہے،مردانہ طاقت میں اضافہ ہوتا ہے۔

کھجور کے مقابلہ میں چھوارہ میں غذائیت کم ہے،اس سے جوخون پیدا ہوتا ہے،وہ گاڑھا پیدا ہوتا ہے،اوراسی وجہ سے اس کوزیادہ مقدار میں کھانے سے خون کے دباؤ میں زیادتی ہونے لگتی ہے،اوردل کے فعل میں تیزی آکراختلاجِ قلب کی شکایت پیدا ہوسکتی ہے۔چھوارہ بلغمی مریضوں کے لئے مفید ہے،اسی وجہ سے اس کی وجہ سے بلغمی امراض (زکام،بلغمی کھانسی،جوڑوں کا درد وغیرہ)دور ہوتے ہیں،اورجسم میں پھرتی اورچستی پیدا ہوتی ہے،محللِ اعصاب ہونے کی وجہ سے سینہ اورریح کے دردوں کے لئے مفیداور فالج اورلقوہ اورخواتین کے لیکوریا کی بیماری کے لئے بھی مفید ہے،اورگرمی کے بجائے سردی کے موسم میں اس کا کھانا زیادہ مفید ہے۔

اگررطوبات کی زیادتی کی وجہ سے اسقاطِ حمل ہوتا ہو،نیز رحم لٹک گیا ہو،تواس کے لئے بھی مفید ہے۔سردی اور کپکپی دور کرنے کے لئے دودھ میں پکا کرکھانا مفید ہے۔دمہ کے مریض کوچھوارے کاسفوف کھانے سے دمہ کے دورے سے حفاظت رہتی ہے۔اطباء کے نزدیک نہار منہ چھوارہ کھانے سے پیٹ کے کیڑے مرجاتے ہیں۔پس ان وجوہات کی بناء پرراجح یہی ہے کہ چھوارے کا مزاج کھجور کے مقابلہ میں خشک ہے۔ [1]

نیز نیم پختہ (ادھ کچری) کھجور کا مزاج گرم اورخشک ہے،اوراس کی خشکی اس کی گرمی سے زیادہ ہے،جس میں رطوبات کوخشک کرنے کی خاصیت پائی جاتی ہے،اورمعدے کوصاف کرتی ہے،اور پاخانہ کوروکتی ہے، اورمنہ اورمسوڑھوں کے لئے نافع ہے۔ [2]

اورکچی کھجور(جب تک ہری ہو) کا مزاج سرد اورخشک ہے۔یہ منہ،مسوڑھے اورمعدے کی بیماریوں میں نفع بخش ہے۔ [3]

اوراحادیث میں کثرت سے تمر بول کر پختہ کھجورکومراد لیا گیا ہے۔ (جاری ہے......)

---

[1] تحقیقات خواص المفردات،المعروف خواص الاشیاء،حصہ اول ''عضلاتی'' مؤلفہ:حکیم محمد یاسین،ص۳۶۲ تا ۳۶۴۔
وبستان المفرادت،خواص الادویہ،مخزن المفردات،ص۱۲۴۔
الطب النبوی لابن القیم ،فصل :فی هَدْیه صلی الله علیه وسلم فی علاج المفؤود.
الطب النبوی لابن القیم ، فصل :فی ذکر شیء من الأدویة والأغذیة المفردة التی جاء ت علی لسانه صلی الله علیه وسلم مرتبة علی حروف المعجم، حرف التاء.

[2] الطب النبوی لابن القیم ، فصل :فی ذکر شیء من الأدویة والأغذیة المفردة التی جاء ت علی لسانه صلی الله علیه وسلم مرتبة علی حروف المعجم، حرف الباء .

[3] الطب النبوی لابن القیم ، حواله بالا.

اخبارِ ادارہ مولانا محمد امجد حسین

ادارہ کے شب وروز

- ......۲۱/ ۲۸/ ربیع الاول و۵/ ۱۲/ ربیع الآخر، جمعہ: متعلقہ مساجد میں حسبِ معمول وعظ ومسائل کی نشستیں منعقد ہوئیں۔
- ......۲۳/ ۳۰/ ربیع الاول و۷/ ۱۴/ ربیع الآخر، اتوار: بعد عصر ہفتہ وار اصلاحی مجلس ملفوظات منعقد ہوتی رہی۔
- ......۲۵/ ربیع الاول، منگل: مولوی امتیاز احمد صاحب (متخصص وسابق معلم شعبہ قرآن، ادارہ غفران) مع اہلِ خانہ، درخانہ امجد تشریف لائے، تین دن بعد واپسی ہوئی۔
- ......۲/ ربیع الثانی، منگل: حضرت مولانا نعمانی اللہ نعمانی صاحب دامت برکاتہم (استاذِ حدیث: جامعہ اسلامیہ، صدر، راولپنڈی) تشریف لائے، دارالافتاء میں حضرت مدیر صاحب سے مختلف علمی امور پر گفتگو ہوئی۔
- ......۴/ ربیع الثانی، بروز جمعرات حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم اور آپ کی معیت کچھ معلمین ورفقاء دارالافتاء، بغرضِ تفریح وسیاحت کھیوڑہ نمک کی کان اور قلعہ روہتاس کی طرف گئے، صبح سات بجے تا رات دس بجے یہ دورہ مکمل ہوا (اس کی روئیداد شمارہ ھٰذا میں شاملِ اشاعت ہے)
- ......۵/ ربیع الثانی، بعد از نمازِ جمعہ جناب عابد صاحب (حضرت مدیر صاحب کے بہنوئی، گرین آٹوز کے مالک) کو مری روڈ پر موٹر سائیکل کا حادثہ پیش آیا، سر اور آنکھ پر چوٹیں آئیں، علاج معالجہ ہوا، اب روبہ صحت ہیں۔
- ......۱۰/ ربیع الثانی، بروز بدھ بعد مغرب حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم اپنے ایک عزیز کی وفات کی تعزیت کے لئے خیابانِ سرسید تشریف لے گئے، جہاں تعزیت وایصالِ ثواب کے مسنون طریقہ پر مختصر خطاب بھی فرمایا۔

اہلِ علم کے لئے خوشخبری

خصوصی پیکیج کے تحت عربی تفسیر، شروحاتِ حدیث، ومطولاتِ فقہ کی مخصوص کتب آدھی قیمت پر دستیاب ہیں۔

برائے رابطہ: کتب خانہ ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی

فون: 051-5507270---0333-5365831

Idara Ghufran

اخبارِ عالم

حافظ غلام بلال

دنیا میں وجود پذیر ہونے والے اہم ومفید حالات وواقعات، حادثات وتغیرات

☜ **21 /فروری2011ء بمطابق17 ربیع الاول1432ھ**: لیبیا کی سڑکیں خون سے رنگین،فورسز نے 200افراد بھون ڈالے ☜ **22 /فروری: پاکستان**: حج کرپشن، ایف آئی اے کی عبدالقادر گیلانی سے تفتیش، حامد کاظمی کی عبوری ضمانت منظور ☜ **23 /فروری: لیبیا**: قذافی نے مظاہرین کو چوہوں کی طرح کچلنے کا حکم دیدیا،سلامتی کونسل کا اجلاس آج ہوگا ☜ **24 /فروری: لیبیا**: لیبیا میں اموات 1000 سے متجاوز،مظاہرین نے صوبہ سائرینیکا کا کنٹرول سنبھال لیا،سلامتی کونسل کا قذافی سے عوامی مطالبہ تسلیم کرنے کا مطالبہ ☜ **25 /فروری: لیبیا**: قذافی نے ہزاروں شہری مروادیے،ہسپتالوں میں لاشیں ہی لاشیں،130 فوجیوں کو پھانسی چڑھادیا، بیشتر علاقوں پر مخالفین کا کنٹرول ☜ **26 /فروری: پاکستان**: نواز لیگ نے پیپلز پارٹی کو پنجاب حکومت سے علیحدہ کردیا ☜ **27 /فروری: پاکستان**: 600 صنعتی اداروں کو5 دن کیلئے گیس فراہمی معطل، سیاسی انتقام لیا جارہاہے، صنعتکار ☜ **28 /فروری: لیبیا**: سلامتی کونسل، قذافی کے اثاثے منجمد، جنگی جرائم کی قرارداد منظور، لیبیا میں مزید 50افراد قتل،مشرقی حصے میں عبوری حکومت قائم ☜ **یکم/مارچ: پاکستان**: پیٹرول 7.73، ڈیزل7.76، مٹی کا تیل7 روپے لیٹر مہنگا ☜ **2 / مارچ: پاکستان**: حج اسکینڈل، ڈی جی ایف آئی اے کی برطرفی کیلئے حکومت کو3 روز کی مہلت، حکومت عدالت کے ہر کام میں رکاوٹ ڈال رہی ہے، چیف جسٹس ☜ **3 / مارچ: پاکستان**: اسلام آباد شہر، وفاقی وزیر اقلیتی امور شہباز بھٹی قتل ☜ **4 / مارچ: پاکستان**: پی سی او حلف پر جسٹس (ر) ڈوگر نے معافی مانگ لی ☜ **5 / مارچ: پاکستان**: نوشہرہ، مزار سے ملحق مسجد میں بم دھماکا، 11افراد جاں بحق، 43زخمی ☜ **6 / مارچ: لیبیا**: راس لانواف اور زاویہ سے قذافی فوج پسپا، جھڑپوں میں 30 جاں بحق، انٹرپول نے قذافی کو گلوبل الرٹ جاری کردیا ☜ کراچی مولانا اعظم طارق کے بھائی مولانا محمد احمد مدنی بیٹے سمیت قتل ☜ **7 / مارچ**: لیبیا میں مزید کئی شہروں پر باغیوں کا قبضہ۔ جنگی ہیلی کاپٹر مار گرانے کا دعویٰ ☜ **8 / مارچ: پاکستان**: میٹرک امتحانات، رول نمبر سلپس جاری نہ ہونے سے طلبہ کو مشکلات، 2 پرچے گزرنے کے باوجود لاہور، راولپنڈی سمیت مختلف شہروں میں طلبہ تاحال ایڈمٹ کارڈ سے محروم ☜ **9 / مارچ: پاکستان**: فیصل آباد، کار بم دھماکے میں 25افراد جاں بحق، 100 سے زائد زخمی، 80 کلو بارود کا استعمال ☜ **10 / مارچ: پاکستان**: پشاور، نماز جنازہ میں خودکش دھماکا، 36افراد جاں بحق ☜ **11 / مارچ: پاکستان**: ڈیرہ مراد جمالی، او جی ڈی سی ایل کے قافلے پر بم حملہ، 4افراد جاں بحق، 24زخمی۔

﴿بقیہ صفحہ ۹۰ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran